قربانی اور تقویٰ

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾

[الحج : ۳۷]

”نہیں پہنچتا اللہ کو اس (قربانی) کا گوشت اور نہ ہی اس کا خون اور لیکن پہنچتا ہے اس کے پاس تمھارا تقویٰ۔“

اور یہی حقیقت میں ہر عبادت کی بجا آوری سے مقصود و مطلوب ہے۔ اگر اخلاص و للّٰہیت کو چھوڑ دیا جائے تو کوئی بھی عمل اور عبادت نہ صرف یہ کہ غیر مقبول ہو گی بلکہ موجب سزا کی بن جائے گی۔ ہمیں تمام عبادات کی بجا آوری میں اس بنیادی مقصد کو مدنظر رکھنا چاہیے، بہ صورت دیگر اعمال رائیگاں ہو جائیں گے۔

قربانی کا درس

قربانی کا موقع اپنے دامن میں حکمت وموعظت کے بہت سے درس لیے آتا اور گزر جاتا ہے مگر رسالوں اوراخبارات میں پُرزور مضامین اورمنبروں پر بلند آہنگ خطبات کے باوجود ہماری روزمرہ کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی جو اِس بات کی علامت ہے کہ حکمت وموعظت کا یہ سارا شورا وپر ہی اوپر رہ جاتا ہے، ہمارے حلق کے نیچے نہیں اُترتا اور یہی وہ مُزمن بیماری ہے جو ہمارے وجود کی بنیادوں کو کھوکھلا اور ناپائیدار کرتی چلی جارہی ہے۔

قربانی اس واقعے کی یادگار ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے ایک ہلکے سے اشارے پر، جو خواب میں کیا گیا تھا، اپنی جان سے بھی زیادہ گراں بہا اور عزیز تر متاع ، یعنی بڑھاپے میں ملنے والے اپنے اکلوتے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اس کٹھن آزمائش کے ہر اُس مرحلے کو عملاً برت گئے جس کے بعد امتحان وآزمائش کا کوئی اور مرحلہ باقی نہیں رہ جاتا۔ پس اس واقعے کی یادگار کے طور پر قربانی کی سنت کو زیرِعمل لانا درحقیقت اس عہد و اِقرار کا اعلان کرنا ہے کہ ہم بھی اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان سے زیادہ عزیز تر متاع کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم اِس عہد واقرار کو ملحوظ رکھ کر اور اس طرح کے جذبات وعزائم لے کر قربانی کرتے ہیں؟

اگر ہمارے عمل کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا اور جواب نفی میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہماری قربانی صرف ایک عملی ڈھانچے کی حیثیت سے باقی رہ گئی ہے، اس کی روح پرواز کر چکی ہے۔ کاش ہم اتنی اہم یادگاروں سے کچھ بھی فائدہ اُٹھاتے اور اپنے آپ میں تبدیلی لانے کی کوشش کرتے۔ اگر ایسا ہوجائے تو اس کی برکتیں اور اس کے فوائد کا ظہور بھی ان شاء اللہ یقیناً شروع ہوجائے گا جس طرح آج ہماری بے عملی کے نقصانات کا ظہور ہورہا ہے۔

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَ هَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ۝﴾ [آلِ عمران : ۸]

09 ذوالحجہ 1433ھ (1474) 26 اکتوبر تا یکم نومبر 2012ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

09 ذوالحجہ 1433ھ جمعۃ المبارک 26 اکتوبر تا یکم نومبر 2012ء

شمارہ 42 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال 60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

غلط فہمی

ملک عصمت اللہ

گل مکئی کے قلمی نام سے برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن (BBC) کے لیے ڈائری لکھنے اور اس نام سے شہرت پانے والی 14 سالہ لڑکی ملالہ یوسف زئی کو سوات کے صدر مقام مینگورہ کے تھانہ سیدو شریف کے حدود میں، جب کہ وہ اپنے سکول سے چھٹی کے بعد سکول کی وین میں گھر جا رہی تھی، گولی مار کر زخمی کر دیا گیا۔ تفصیل کے مطابق دو نامعلوم نقاب پوشوں نے گاڑی کو روک کر گاڑی میں ملالہ کا پوچھا اور بعد ازاں فائر کھول دیا۔ ملالہ سر پر گولی لگنے سے شدید زخمی ہو گئی اور اس کے ساتھ اس کی دو ساتھی لڑکیاں بھی زخمی ہوئیں۔ زخمیوں کو فوراً سیدو شریف کے ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا لیکن وہاں نیورو سرجری یونٹ نہ ہونے کی وجہ سے ملالہ کو پاک فوج کے ہیلی کاپٹر میں پشاور کے سی ایم ایچ منتقل کر دیا گیا۔ جب کہ اس کی ساتھیوں کو سیدو شریف کے ہسپتال ہی میں چھوڑ دیا گیا۔ ساتھ ہی طالبان کے ترجمان کے حوالے سے یہ بیان نشر کیا گیا کہ طالبان نے ملالہ پر حملے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔

ملالہ ایک انسان تھی۔ انسانیت کے حوالے سے ہمیں بھی اس کا ملال ہوا لیکن ہمارا ماتھا اسی وقت ٹھنک گیا تھا جب اس واقعہ پر ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ صدر زرداری، جو حالات و واقعات کی سنگینی کے باوجود اکثر خاموش رہتے ہیں بول اٹھے اور ان کی طرف سے مذمتی بیان جاری کیا گیا۔ ہمارے دیگر ارباب بست و کشاد جن میں وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف، وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف، گورنر پنجاب لطیف کھوسہ اور آرمی چیف پرویز کیانی نے بھی مذمتی بیان جاری کر کے اس کار خیر میں حصہ لیا۔ اپوزیشن لیڈر جناب نواز شریف نے بھی مذمتی بیان جاری کیا اور ملالہ کے بھائی محمود الحسن کو ٹیلی فون کر کے پنجاب حکومت کی طرف سے علاج کے لیے بیرونِ ملک بھجوانے کی پیش کش کی۔ اس کے بعد تو بیانات کی لائن لگ گئی۔ کسی نے اسے قومی غیرت پر حملہ قرار دیا۔ کسی نے اسے اپنی بہن پر حملہ کہا۔ کسی نے ملالہ کے والد کو ٹیلی فون کر کے بیٹی کے علاج کے لیے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ گویا جتنے منہ تھے اتنی باتیں تھیں۔

اس سے اگلے روز درہ آدم خیل میں امن لشکر کے ہیڈ کوارٹر پر خودکش دھماکہ ہوا جس میں اٹھارہ افراد جاں بحق اور ۳۳ زخمی ہوئے۔ کراچی میں سینکڑوں افراد مارے جا چکے ہیں اور مارے جا رہے ہیں۔ کسی کو انسانیت یاد آتی ہے نہ کوئی انھیں اپنا بھائی بند سمجھتا ہے نہ یہ کسی کے لیے قومی غیرت کا مسئلہ بنتا ہے۔ ان زخمیوں کے لیے کوئی بیرونِ ملک علاج کی پیش کش کرتا ہے نہ کوئی ان کے ساتھ تعاون کی یقین دہانی کراتا ہے۔ اہل فکر و نظر اس پر سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آخر اس لڑکی کی کیا خصوصیت تھی کہ تین چار روز تک کانوں پڑی آواز سنائی نہ دی۔

قاضی حسین احمد نے یہ کہہ کر حکومتی پراپیگنڈے کا بھانڈا بیچ چوراہے کے پھوڑ دیا کہ طالبان کا ترجمان احسان اللہ احسان نامی کوئی شخص نہیں ہے جو اس قسم کے واقعات کی فوراً ذمہ داری قبول کر لیتا ہے۔ امیر جماعت اسلامی منور حسن نے تو کھلے لفظوں سے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ ملالہ پر حملے کے پیچھے وزیرستان میں فوجی آپریشن کی خواہش مند قوتوں کا ہاتھ ہے جو اس کی آڑ میں وزیرستان میں آپریشن شروع کرنا چاہتی ہیں اور اس حملے کو سوات کی ایک عورت کو کوڑے مارنے کی جعلی وڈیو کے مماثل قرار دیا جس کے بعد سوات میں آپریشن شروع کر دیا گیا۔

مولانا فضل الرحمٰن نے الزام لگایا کہ ملالہ پر حملے کی ذمہ دار حکومت اور وہ لوگ ہیں جو امریکی پالیسیوں کے حامی اور چالیس ہزار پاکستانیوں کے قتل کے پس پردہ ہیں۔ انھوں نے ملالہ پر حملے کو ظالمانہ قرار دے کر اس کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ کیا اس ملک میں اس سے پہلے کتنی ملالائیں قتل ہوئیں۔ بم باری کر کے کتنی ماؤں بہنوں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔ ۷ سے ۱۲ سال تک بچوں کو مسجد میں قرآن پڑھتے شہید کیا۔ اس پر دنیا

خاموش کیوں ہے؟ آج جو لوگ واویلا کر رہے ہیں انھیں ملالہ سے کوئی ہمدردی نہیں بلکہ امریکی موقف کی حمایت کر کے مذہبی طبقے کو دیوار سے لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ابھی ہم اسی شش و پنج میں تھے کہ ان دونوں طبقوں میں کس کی بات کو درست مانا جائے کہ دنیا کے عظیم دہشت گرد، جس نے دنیا کو پرامن بنانے کے بہانے دنیا کا امن تہ وبالا کر رکھا ہے اور جس کے ہاتھ ہزاروں نہیں لاکھوں افراد کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، اوبامہ نے بھی اپنے بیان میں ملالہ پر حملے کو انسانیت پر حملہ قرار دیا۔ اس بیان نے ہماری مشکل آسان کردی۔ اگر انسانیت کے قاتل میں انسانیت کی ہمدردی جاگ اٹھی ہے تو دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ اس شبہے کو مزید تقویت اس سے ملی کہ ملالہ کا ملک میں اچھا خاصا علاج ہو رہا تھا اور وہ صحت یاب بھی ہو رہی تھی مگر اسے علاج کے بہانے اسے، اس کے والد اور خاندان کے افراد کو ملک سے فرار کرایا گیا۔

الیکٹرانک میڈیا تو رہا ایک طرف ہمارے قومی پریس نے بھی اس واقعہ کی نشر و اشاعت میں پورا پورا حصہ لیا۔ بڑے بڑے نامور کالم نگاروں اور مضمون نگاروں نے اپنے کالموں اور مضامین کے انبار لگا دیے۔ عرفان صدیقی صاحب نے لکھا کہ وہ (ملالہ) ایک زندہ، بیدار اور پرعزم پاکستان کا استعارہ ہے۔ حامد میر صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تعلیم حاصل کرنے کا جنون ایک دن اس کا جرم بن جائے گا اور جہاد کے علم بردار اسے گولی مار کر بڑے فخر سے ذمہ داری قبول کریں گے۔ روزنامہ انصاف کے ۱۴/ اکتوبر ۲۰۱۲ء کے سنڈے ایڈیشن میں محمد شعیب صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا۔ انھوں نے لکھا زمانہ جاہلیت میں تو جہلاء اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے لیکن آج خود کو دین کے ٹھیکے دار سمجھنے والے جہلاء زمانہ جاہلیت کے زمانے کے ظالموں سے بھی بڑھ کر سفاک، وحشی اور درندے معلوم ہوتے ہیں۔ گویا انھوں نے مجرموں کو نہیں پورے مذہبی طبقے کو نشانے پر رکھا ہے۔ جناب عطاء الحق قاسمی نے بھی اپنے کالم میں اپنی حسرت بھری خواہش کا اظہار کیا کہ صرف دو جماعتوں کے راہنماؤں (جماعت اسلامی کے امیر منور حسن اور جماعۃ الدعوۃ کے امیر حافظ سعید) کی طرف سے اس ضمن میں اگر احتجاجی بیان سامنے آجائے تو اسلامیانِ پاکستان انتہائی ممنون ہوں گے۔ گویا وہ چاہتے ہیں جو غلطی انھوں نے کی ہے وہ یہ راہنما بھی کریں تاکہ انھیں غلط کہنے والا کوئی نہ رہے۔ اس کبڑی مائی کی طرح جسے لوگ کبڑا ہونے کا طعنہ دیا کرتے تھے اور وہ چاہتی تھی کہ ساری دنیا کبڑی ہو جائے تاکہ اسے کبڑا ہونے کا طعنہ دینے والا کوئی نہ رہے۔

دوسری طرف طالبان کا کہنا ہے کہ ملالہ یوسف زئی پر حملہ بلا جواز نہیں تھا۔ اس پر حملہ تعلیم کے لیے آواز بلند کرنے پر نہیں کیا گیا بلکہ اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ مجاہدین اور ان کی جنگ کو ٹارگٹ کرتی تھی۔ انھوں نے اسے مغرب کا جاسوس قرار دیا اس لیے انھوں نے یہ دھمکی دی اگر وہ بچ گئی ہے تو اسے دوبارہ نشانہ بنایا جائے گا۔ اس لیے اسے علاج کے بہانے ملک سے فرار کرایا گیا۔

طالبان کا یہ بیان شاید ''شدت پسندی'' کا مظہر جان کر نظر انداز کر دیا جائے۔ برطانوی میڈیا نے امریکہ کے مشہور اخبار نیویارک ٹائمز میں شائع شدہ ایک رپورٹ میں ملالہ یوسف زئی اور اس کے والد کی امریکی عہدے داروں سے خفیہ ملاقاتوں کا انکشاف کیا ہے اور کہا ہے کہ تصاویر میں ملالہ اور اس کے والد کو واضح طور پر دکھایا گیا ہے اور سی آئی اے کے حکام بھی ان ملاقاتوں میں نظر آتے ہیں۔ گویا انھوں نے طالبان کے بیان کی نہ صرف تصدیق کردی بلکہ گھر کے بھیدی نے پوری لنکا ڈھا دی۔

ان واقعات کے پیش نظر امید کی جاتی ہے کہ ان کی غلط فہمی دور ہو گئی ہو گی۔ محمد شعیب کی خدمت میں عرض ہے کہ شکوہ بے جا بھی کرے تو لازم ہے شعور۔ اپنے کالم نگاروں اور دانش وروں کی خدمت میں علامہ اقبال کا ایک شعر نذر ہے:

اہل نظر، ذوق نظر خوب ہے لیکن ‏ ‏ جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

درس قرآن — قسط نمبر ۴۵

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ آج نہ کسی پر ظلم ہوگا اور نہ اس کے سوا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ عدل وانصاف کا دن ہے، جو کچھ کسی نے کیا ہوگا اسی کا بدلہ اسے ملے گا، جیسے فرمایا:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [القصص: ۸۴]

''جو شخص نیکی لے کر آیا تو اس کے لیے اس سے بہتر (صلہ) ہے اور جو بُرائی لے کر آیا تو جن لوگوں نے بُرے کام کیے وہ بدلہ نہیں دیے جائیں گے مگر اسی کا جو وہ کیا کرتے تھے۔''

نیز فرمایا:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ٥ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥﴾

[النمل: ۸۹، ۹۰]

''جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر بدلہ ہے اور وہ اس دن گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔ اور جو بُرائی لے کر آئے گا تو ان کے چہرے آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے، تم بدلہ نہیں دیے جاؤ گے مگر اسی کا جو تم کیا کرتے تھے۔''

حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابوہریرہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور بہت سے تابعین رحمۃ اللہ علیہم یہاں ''السیئۃ'' سے کفر وشرک مراد لیتے ہیں۔

(ابن کثیر: ۵۰۲/۳)

گویا کفر وشرک کا بدلہ جہنم ہے، اس کے ساتھ کوئی نیکی اسے فائدہ نہیں دے گی۔

علامہ رازی نے یہاں عجیب بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ﴿لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾ میں عموم ہے اور یہ حکم مومن اور کافر دونوں کے بارے میں ہے۔ مگر ﴿وَلَا تُجْزَوْنَ﴾ کا حکم صرف کافروں کے لیے ہے کیونکہ مومن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان اعمال کی بھی جزا دے گا جو اس نے نہیں کیے ہوں گے۔

(التفسير الكبير: ۹۰/۲۵)

جیسے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی انسان کو اس کے جسم میں کوئی بیماری لاحق کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں سے فرماتے ہیں:

"اكتبوا لعبدي في كل يوم وليلة ما كان يعمل من خير ما كان في وثاقي." (مسند أحمد: ۲/ ۱۵۹، الحاكم: ۳۴۸/۱ وغيرهما)

''جب تک میرا بندہ میری پکڑ میں ہے اس کے نیک عمل کو (جو وہ صحت میں کیا کرتا تھا) ہر شب وروز لکھتے رہو۔''

اسی طرح حضرت ابوالاشعث صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد دمشق کی طرف گیا تو میری ملاقات شداد بن اوس انصاری اور الصنابحی رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ میں نے کہا: ''اللہ کی آپ پر رحمت ہو، کہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''یہاں ایک مضر قبیلے کے ہمارے بھائی ہیں، ہم ان کی عیادت کے لیے جا رہے ہیں۔'' میں بھی ان کے ہمراہ ہوگیا تا آنکہ ہم اس شخص کے پاس پہنچ گئے۔ انھوں نے اس مریض سے پوچھا: ''تمھارا کیا حال ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''صبح سے اللہ کی نعمت ورحمت ہے۔'' حضرت شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تمھارے لیے گناہوں کے کفارے کی اور گناہوں کی معافی کی بشارت ہے، ہونے کی بشارت ہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إذا ابتليت عبداً من عبادي مؤمنا فحمدني على ما ابتليته فأجروا له كما كنتم تجرون له وهو صحيح .)) (أحمد: ١٢٣/٤، الصحيحة، رقم الحديث: ١٦١١)

''جب میں اپنے بندوں میں سے مومن بندے کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہوں تو وہ میری آزمائش پر میری تعریف کرتا ہے، (میں فرشتوں سے کہتا ہوں:) اس کا اسی طرح اجر وثواب لکھتے رہو جس طرح صحت کی حالت میں لکھتے تھے۔''

اس موضوع کی دیگر احادیث الترغیب والترہیب (۴/ ۲۸۹، ۲۹۲) میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ اور اسی نوعیت کی دوسری احادیث سے امام رازی رحمہ اللہ نے سمجھا ہے کہ ﴿وَلَا تُجْزَوْنَ﴾ کا خطاب کفار سے ہے کیونکہ مومن کو تو کبھی عمل کے بغیر بھی اجر ملتا ہے بلکہ اچھے عمل کا ارادہ بھی کر لے تو ایک نیکی کا مستحق بن جاتا ہے۔

☆☆............☆☆

﴿إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ٥ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُوْنَ ٥ لَهُمْ فِيْهَا فٰكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ٥ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ٥﴾ (یٰس: ۵۵-۵۸)

''بے شک جنت کے رہنے والے آج ایک شغل میں خوش ہیں۔ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے اس میں بہت پھل ہے اور ان کے لیے اس میں وہ کچھ ہے جو وہ طلب کریں گے۔ ''سلام ہو'' یہ اس رب کی طرف سے کہا جائے گا جو بے حد مہربان ہے۔''

میدانِ محشر میں کفار کی سراسیمگی بیان کرنے کے بعد اب اہل ایمان کے بارے میں بتلایا جا رہا ہے کہ ان میں سے بعض کو بلا حساب اور بعض کو ہلکی باز پرس کے بعد جلد ہی جنت بھیج دیا جائے گا۔ یہ منظر بھی کفار کے لیے پریشانی ہی کا موجب ہوگا کہ جنھیں ہم دنیا میں کم عقل سمجھتے تھے وہ تو جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور ہم جو اپنے آپ کو بڑا عقل منداور عزت دار سمجھتے تھے یہاں رسوا اور ذلیل ہو رہے ہیں اور جرائم کی جواب دہی میں رُک کے کھڑے ہیں۔

﴿أَصْحٰب﴾ صُحُبٌ کی جمع ہے اور صُحُبٌ صَاحِبٌ کی اسم جمع ہے جس کا معنی ہے: ہمیشہ ساتھ رہنے والا، خواہ وہ کسی انسان یا حیوان کے ساتھ رہے، یا مکان یا زمان کے۔ اور عرف میں بھی صاحب اسی کو کہتے ہیں جو عموماً ساتھ رہے۔ مگر اس سے صحابہ کرام مختص ہیں۔ آپ ﷺ کی مصاحبت ایک لحظہ کے لیے بھی ہو تو وہ صحابی ہے اور وہ صاحب رسول ﷺ ہے۔

﴿اَلْجَنَّة﴾ کو جنت کیوں کہا جاتا ہے، اس کی ضروری وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

﴿فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ﴾ "الشغل" ایسی مصروفیت جس کی وجہ سے انسان دوسرے کاموں کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ اور ﴿فٰكِهُوْنَ﴾ اس کی اصل تو "الفاكهة" ہے جو ہر قسم کے میوں اور پھلوں پر بولا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ کھجور اور انار کے علاوہ باقی میوہ جات کو "الفاكهة" کہا جاتا ہے کیونکہ قرآنِ مجید ہی میں ان دونوں کو "الفاكهة" پر عطف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ (مفردات)

اور قرآن کا وہ مقام یہ ہے:

﴿فِيْهِمَا فٰكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ٥﴾ (الرحمن: ٦٨)

''ان دونوں میں پھل اور کھجور کے درخت اور انار ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور اور انار "فاكهة" کے غیر ہیں۔ مگر علامہ یعقوب فیروز آبادی نے ''القاموس'' میں اور علامہ ازہری نے بھی اس پر شدید نکیر کی ہے اور فرمایا ہے کہ کبھی اشیاء کا پہلے فی الجملہ ذکر کیا جاتا ہے، پھر ان میں سے بعض کے شرف وفضل کی بنا پر ان کا نام الگ لیا جاتا ہے، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۝﴾ (البقرة : ٩٨)

''جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو بے شک اللہ کافروں کا دشمن ہے۔''

یہاں بھی فرشتوں کے ذکر کے بعد حضرت جبریل اور میکائیل کا الگ ذکر بھی عطف کے ساتھ ہوا ہے۔ اور جو کوئی انھیں فرشتوں سے خارج قرار دیتا وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے۔

اسی طرح ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ﴾ [القدر : ٤] ہے کہ لیلۃ القدر میں فرشتے اور روح اترتے ہیں۔ یوں یہ عطف الخاص علی العام کے اصول پر ہے۔

لہٰذا جو کھجور اور انار کو ''فاکھۃ'' سے خارج سمجھتا ہے وہ جاہل ہے اور اس کا موقف لغت عرب کے خلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انھوں نے سورۃ الرحمٰن کی مذکورہ آیت سے استدلال کر کے فرمایا ہے کہ جو قسم کھائے کہ وہ پھل نہیں کھائے گا، پھر اس نے کھجور اور انار کھا لیا تو وہ حانث (قسم توڑنے والا) نہیں ہوگا۔ امام صاحب کے اس فتوے پر علامہ ازہری نے سخت نکیر کی ہے اور انھیں علم لغت اور تفسیر قرآن سے بے خبری کا طعنہ دیا ہے۔ مگر اس اعتراض کا جواب علامہ علی قاری نے یہ دیا ہے کہ امام صاحب کا فتویٰ عقلاً ونقلاً درست ہے۔ نقلاً تو اس لیے کہ واؤ حرف عطف مغایرت کے لیے ہوتی ہے اور عقلاً اس لیے کہ فاکھۃ وہ ہے جس سے لذت ولطف حاصل ہو۔ غذا اور دوا کا اس سے مقصود نہ ہو۔ اور کھجور من جملہ غذا میں سے ہے اور انار دوا کے لیے مستعمل ہے (ضرب المثل بھی ہے کہ ایک انار سو بیمار)۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی نے یہ دلچسپ تفصیل تاج العروس (٤٠٣/٩) میں بیان کی ہے۔ یہاں اس کی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں، بس یہ ذہن میں رہے کہ یہاں اہل جنت کے لیے میوہ جات کا ذکر ہے۔ جنت میں بیماری کا کوئی تصور نہیں، وہاں اس کا بہ طور پھل ہی ذکر آیا ہے۔ اور کھجور بھی غذا کے طور پر تب استعمال ہوتی ہے جب اور کوئی غذا نہ ہو۔

''فکاھۃ، فکہ وفاکھۃ'' کا معنی خوش طبعی کی باتیں کرنا بھی ہے۔ ''رجل فکہ'' اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو اپنے دوستوں سے ہنسی خوشی کی باتیں کرے اور انھیں ہنسائے۔ اسی لیے ﴿شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ﴾ کا معنی یوں کیا گیا ہے: ''شغل میں خوش ہیں یا دلچسپیوں میں مزے لوٹنے اور لطف اٹھانے میں مشغول ہیں۔'' اسی معنی میں کفار کے جرائم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ۝﴾ (المطففین : ٣١)

''اور جب وہ اپنے گھروں کے پاس واپس آئے تو خوش گپیاں کرتے ہوئے واپس آئے تھے۔''

یعنی دنیا میں یہ لوگ گھروں اور گھروں سے باہر خوش گپیوں میں رہتے تھے۔ یہی بات یوں بھی فرمائی گئی ہے کہ وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا کیونکہ

﴿اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا۝﴾ (الانشقاق : ١٣)

''بلاشبہ وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا۔''

مگر اہل جنت کہیں گے:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ۝ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ۝﴾ (الطور : ٢٦، ٢٧)

''کہیں گے: بلاشبہ ہم اس سے پہلے (دنیا میں) گھر والوں میں ڈرنے والے تھے۔ پھر اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں زہریلی لو کے عذاب سے بچالیا۔''

اسی طرح اہل جنت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انھیں نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، آسان سا ان سے حساب ہوگا اور:

﴿وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا۝﴾ (الانشقاق : ٩)

''وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا۔''

انھی کے بارے میں یہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ٥ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا٥﴾

(الدھر: ۱۰،۱۱)

”یقیناً ہم اپنے رب سے اس دن سے ڈرتے ہیں جو بہت منہ بنانے والا، سخت تیوری چڑھانے والا ہوگا۔ پس اللہ نے انھیں اس دن کی مصیبت سے بچا لیا اور انھیں انوکھی تازگی اور خوشی عطا فرمائی۔“

دنیا میں مسرور رہنے والوں اور خوش گپیاں کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ آج اہل جنت خوش گپیوں میں رہیں گے اور خوشیاں پائیں گے:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ٥ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ٥﴾

(الطور: ۱۷،۱۸)

”بے شک متقی لوگ باغوں اور بڑی نعمت میں ہیں۔ لطف اٹھانے والے اس سے جو ان کے رب نے انھیں دیا اور ان کے رب نے انھیں بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب سے بچا لیا۔“

گویا آخرت سے بے خوف زندگی جہنم کا باعث بنے گی اور آخرت سے خوف کھانے والے فرحاں وشاداں ہوں گے اور خوشیوں میں مشغول رہیں گے۔

یہاں ﴿شُغُلٍ﴾ کا لفظ اپنے اندر یہ معنویت بھی رکھتا ہے جب جنت میں نہ فکر فردا، نہ کسب معاش اور نہ کسی فرض وسنت کی ادائیگی کی فکر تو بے کاری کی زندگی کیا زندگی ہوگی؟ اس فہم کے ازالے کے لیے فرمایا گیا کہ ان کی تفریحات متنوع قسم کی ہوں گی اور وہ ان میں مشغول رہیں گے، اکتاہٹ کا وہاں کوئی سوال ہی نہیں۔ اہل جنت کی مجلسیں ومسندیں ہوں گی، باہمی مہمان نوازیاں ہوں گی، اللہ کی طرف سے ضیافتیں ہوں گی اور ان کے خدام ہوں گے۔ جنت میں ان کی بیویاں ہوں گی، حوریں ہوں گی، سیر وسیاحت ہوگی اور اللہ ذوالجلال والاکرام کے دیدار کا شرف ہوگا۔ اور ایسے ایسے انعامات سے نت نئے اسلوب سے نوازا جائے گا جس کا تصور کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں گزرا۔

حضرت ہشام بن حسان فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دیدار کی لذت ایسی ہوگی کہ اہل جنت، جنت کی نعمتوں کو بھول جائیں گے۔ بلکہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:

"لو علم العابدون إنهم لا يرون ربهم لذابت أنفسهم في الدنيا." (روضة المحبين، ص: ٤٦٥)

”اگر عبادت گزاروں کو علم ہوجائے کہ وہ اپنے رب کی زیارت سے محروم رہیں گے تو دنیا میں ہی وہ ختم ہو جائیں گے۔“

ابونعیم کے حوالے سے شیخ بسطامی کا قول قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ذکر کیا ہے:

"إن لله خواص من عباده لو حجبهم عن رؤيته لاستغاثوا كما يستغيث أهل النار بالخروج من النار." (مظهري)

”بے شک اللہ کے ایسے خاص بندے بھی ہیں کہ اگر وہ دیدارِ محبوب سے محجوب، یعنی روک دیے جائیں تو وہ جنت میں اسی طرح فریاد کریں گے جس طرح جہنمی جہنم سے نکلنے کے لیے چیخ وپکار کریں گے۔“

جنت محلِ دیدارِ محبوب ہے، دنیا نہیں۔ اس دیدار کی لذت تو دیدار پر ہی خوش نصیبوں کو ہوگی۔ اس کی طلب وتڑپ کا ہی نتیجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے ہیں:

((اللهم إني أسألك لذة النظر إلى وجهك والشوق إلى لقائك.)) (أحمد، ابن حبان)

”اے اللہ! میں آپ سے آپ کے دیدار کی لذت کا اور آپ کی ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔“

اس لیے جنت کی تمام تر لذتوں اور عنایتوں میں سب سے بڑی عنایت اور سب سے بڑا شغل اللہ کا دیدار ہے۔ جنت کی ان بے شمار اور لامتناہی لذتوں کا ہی نتیجہ ہوگا کہ (باقی صفحہ نمبر ۹)

درسِ حدیث

تميمة الصبي في ترجمة الأربعين من أحاديث النبي

بچوں کے لیے چالیس جامع احادیث مبارکہ

مؤلف: نواب سیّد محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
تنقیح وتسہیل: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

۲۰۔ دانت برابر ہیں:

((الاسنان سواء .)) (رواہ أبوداود)

''سب دانت برابر ہیں۔'' اگرچہ چھوٹے بڑے ہوں۔

فائدہ: ایک دانت کے توڑنے میں نصف عشر دیت (دیت کا بیسواں حصہ) واجب ہوتی ہے، یعنی دینار سے پچاس دینار، درہم سے پانچ سو درہم اور اونٹوں سے پانچ اونٹ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ غلام کے حق میں نصف عشر قیمت اس کی واجب ہوتی ہے۔ اور سب دانتوں میں ایک دیت اور تین خمس دیت (جو درہم سے چھ ہزار درہم بنتے ہیں) واجب ہے۔ یہ ملا کر سولہ ہزار درہم بنیں گے، اس لیے کہ اکثر ۳۲ دانت ہوتے ہیں۔ اور جو ۳۰ دانت توڑے تو ایک دیت اور نصف دیت واجب ہے۔

۲۱۔ کان میں مرنا باطل ہے:

((المعدن جبار .)) (متفق علیه)

''کان میں مرنا ہدر اور باطل ہے۔''

فائدہ: مثلاً ایک آدمی کسی چیز کی کان کے اندر گھسا یا اُس پر کھڑا ہوا کہ ناگہاں کان دھنس گئی اور وہ ہلاک ہوگیا تو اس پر جس نے اس کان کو کھدوایا ہے، ضمان نہیں۔ یا ایک آدمی کو کان کھودنے کے لیے بہ طور مزدور رکھا اور وہ مزدور اس کان کے اندر دب کر مر گیا تو صاحبِ معدن (کان کے مالک) پر ضمان نہیں آتا۔ اور یہ حکم کچھ کان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ اور صورتوں میں بھی جاری ہوتا ہے۔ بہ خلاف معنی اوّل کے کہ وہ معدن (کان) کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲۲۔ کنوئیں میں مر جانا باطل ہے:

((البئر جبار .)) (متفق علیه)

''کنوئیں میں مرجانا باطل ہے۔''

فائدہ: اگر کوئی شخص اپنی زمین یا کسی اور مباح زمین میں کنواں کھودے اور اس کنوئیں میں کوئی آدمی گر کر مر جائے تو کنوئیں والے پر ضمان نہیں۔

۲۳۔ پھلوں سے قطعِ ید نہیں:

((لا قطع في ثمر .)) (رواہ مالك والترمذي وأبوداود والنسائي والدارمي وابن ماجه)

''نہیں ہے (ہاتھ کا) کاٹنا پھلوں میں۔''

فائدہ: یعنی چور کا ہاتھ چوری کی وجہ سے کاٹا جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے اس حالت میں درخت سے پھل چُرایا کہ وہ پھل ابھی درخت پر ہی لگا ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ ابھی وہ پھل توڑ کر جمع نہیں کیا گیا ہے اور اگر میوہ (پھل) کاٹ کر جمع کر لیا گیا ہو اور پھر اس جمع شدہ پھل سے کوئی میوہ چرائے [1] تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور امام شافعی کے نزدیک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد سے بھی منقول ہے کہ اگر پھل ایسے درخت سے چُرایا جائے جس کے گرد دیوار کھینچی ہوئی ہے یا وہ درخت گھر کے اندر ہے تو ایسی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹنا بقدرِ [2] نصاب لازم آتا ہے۔

۲۴۔ ہر نشہ آور چیز کا حکم شراب کا ہے:

((کل مسکر خمر .)) (رواہ مسلم)

[1] اور وہ نصاب کو پہنچے۔ (ص، ی)

[2] یعنی مسروقہ پھل جب نصاب تک پہنچے۔ (ص، ی)

’’ہر نشہ آور چیز شراب ہے۔‘‘

فائدہ: یعنی ہر نشہ آور چیز شراب کی مثل ہے کہ اس کا تھوڑا یا بہت، سب حرام ہے۔ خمر اُس چیز کو کہتے ہیں جو مستی پیدا کرے، چاہے وہ انگور کا رس ہو یا اور کسی چیز کا۔ اس لیے کہ خمر مدینہ طیبہ میں حرام ہوئی اور وہ خُرمی (کھجور) کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمایا کہ بلاشبہ خمر کی حرمت نازل ہوئی ہے اور خمر کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ انگور کی، ۲۔ خُرموں (کھجور) کی، ۳۔ گیہوں (گندم) کی، ۴۔ جو کی، ۵۔ شہد کی۔ اور خمر وہ ہے جو عقل کو چھپا (یعنی اس پر پردہ ڈال دے) اور کھودے۔ (صحيح بخاري)

اور سب سلف وخلف نے کہا ہے کہ جو چیز نشہ پیدا کرے وہ خمر ہے اور اس کا قلیل وکثیر حرام ہے۔ اس باب میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں۔

اور خمر کے ماسوا دیگر مشروبات جب نشہ نہ لاتی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک ان کا استعمال مباح ہے۔ بہ شرط کہ اس سے مقصود عبادت کے لیے قوت وتوانائی کا حصول ہو۔ اور اگر مقصود لہو ولعب ہو تو مباح نہیں کیونکہ لہو ولعب بجائے خود حرام ہے اور جو کام حرام کے لیے ہو تو وہ بھی حرام ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جو شخص فسق وفجور اور لہو کے لیے پیے تو اس کے لیے قطعاً حرام ہے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ، نیز ایسی مجلس میں بیٹھنا اور اس کی طرف جانا بھی حرام ہے۔

۲۵۔ نشہ آور چیز حرام ہے:

((كل مسكر حرام .)) (رواه مسلم)

’’ہر نشے والی چیز حرام ہے۔‘‘

فائدہ: جیسے تاڑی، بھنگ، بوزہ، سیندھی تمباکو۔ ان چیزوں کے بھوک سے زیادہ کھانے پینے سے اگر عقل جاتی رہے تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حد نہیں لگائی جائے گی، البتہ نشہ پیدا ہونے کی صورت میں حد لازم آئے گی۔ اور شیخین (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کے نزدیک تعزیر ہے۔ اور اسی طرح وہ چیز بھی کھانی حرام ہے جس میں کوئی نشے والی چیز ملی ہوئی ہو جیسے نان پاؤ انگریزی وغیرہ جب کہ اُس کا خمیر مسکرات ہی ہو یا معجون اور ماء اللحم منشّي وغیرہ۔

۲۶۔ پیغمبر بہشت میں ہے:

((النبي في الجنة .)) (رواه أبوداود)

’’پیغمبر بہشت میں ہے۔‘‘

فائدہ: یہ روایت حسناء بنت معاویہ سے ہے جو طبقۂ رابعہ کی تابعیہ مقبولہ ہے۔ ان کے چچا اسلم بن سلیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ’’بہشت میں کون ہے؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’پیغمبر بہشت میں ہیں۔‘‘ پیغمبروں کی خصوصیت اس حدیث میں اس لیے فرمائی ہے کہ سارے پیغمبر قطعی جنتی ہیں اور کسی مسلمان کے حق میں جنتی ہونے کی قطعی شہادت نہیں ہوسکتی، الا یہ کہ جس کے متعلق وحیِ الٰہی سے معلوم ہوجائے جیسے عشرۂ مبشرہ، اہل بدر، اہل بیت نبوی علیہ الصلاۃ والسلام (اور اہل بیعت رضوان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کہ ان کے حق میں احادیث مغفرت وبشارت (اور آیاتِ قرآنی بابت رضائے الٰہی) وارد ہیں۔

بقیہ: تفسیر سورۂ یٰسٓ

﴿لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ [الكهف: ۱۰۸] یعنی کہیں اور جگہ کی تلاش کا تصور بھی نہیں رکھیں گے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے یہاں یہ لطیف بات فرمائی ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے اقارب اور احباب جو جہنم میں ہوں گے، اہل جنت اللہ کی نعمتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں کریں گے اور ان کی کوئی فکر انھیں نہیں ہوگی۔ جنت میں فکر مندی کیسی؟ وہ جب خود صدا بہار جنت میں مشغول رہیں گے تو کسی کی فکر کیا کریں گے۔ گویا انھیں جنت میں مشغول رکھا جائے گا تا کہ وہ اپنے جہنمی اقرباء کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔

افتاء

☆ سود کی تین اقسام اوران کا حکم۔

☆ مصارف زکاۃ میں "في سبيل الله" کا مفہوم۔

مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف

سوال: یہ تو علمائے کرام سے بار بار سن چکے ہیں کہ سود حرام ہے۔ کھانے والا، کھلانے والا، لکھنے والا (منیجر، کلرک) گواہ، چپڑاسی، چوکیدار حرام خوری اور گناہ میں برابر ہیں۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ سود کی کتنی قسمیں ہیں؟ نیز بینکاری کے لیے مکان کرائے پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ (عبدالعزیز بھٹوی، گوجرانوالہ)

جواب: علمائے معاشیات اور محققین علمائے اسلام نے سود کی تین قسمیں بیان کی ہیں، جیسا کہ الشیخ عبداللہ ناصر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ السعدی نے سود کی حسب ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱: **ربا الفضل**: اس کی صورت یہ ہے کہ کسی جنس کو گن کر اس کے بدلے وہی جنس گن کر زیادہ لی جائے۔ [1] یا کسی جنس کو تول کر اس کے بدلے وہی چیز تول کر زیادہ لی جائے۔ [2]

کیونکہ شارع نے ماپ، تول اور گن کر لی جانے والی چیزوں کے بارے میں شرط رکھی ہے کہ اگر ان کے بدلے انھی کی جنس جو چیز ماپ، تول اور گن کر لی جائے تو وہ برابر ہوں اگر ایک طرف زیادتی ہوئی تو وہ سود ہوگا۔ نیز اس خرید و فروخت میں دوسری شرط یہ ہے کہ مجلس عقد ختم ہونے سے پہلے خریدی جانے والی چیز کا قبضہ لینا ضروری ہے۔ وگرنہ سودا شرعی اعتبار سے ساقط تصور ہوگا، یعنی جنس واحد کے تبادلے میں دو شرطیں ضروری ہیں: (۱) برابر سرابر، (۲) نقد بہ نقد۔ یعنی دست بہ دست قبضہ لینا ضروری ہے، ورنہ حرام۔

۲: **اجناس پر سود**: یہ ہے کہ ماپ یا گن اور تول کر کوئی چیز برابر دی جائے لیکن مجلس عقد ختم ہونے کے باوجود خریدار خرید شدہ چیز کو اپنے قبضے میں نہ لے۔

اس سلسلے میں شدید مخالف وہ قسم ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ [آلِ عمران: ۱۳۰]

"تم بڑھا چڑھا کر کئی گنا سود نہ کھاؤ۔"

اس کی صورت یہ ہے کہ مقروض پر قرض کی ادائیگی کی مدت پوری ہو جائے لیکن وہ قرض ادا نہ کر سکے۔ اب قرض خواہ مقروض سے اس کا قرض خریدے اور اس پر نئے سرے سے سود لگا کر اسے ہی فروخت کر دے جس کی ایک مدت مقرر ہو۔ اس صورت میں مقروض کے ذمہ پہلے قرض کا سود بھی رہے گا اور دوسرے قرض کا سود مزید ادا کرنا ہوگا۔ یہ درحقیقت قرض دینے والے کی طرف سے مقروض پر ظلم ہے، ورنہ اس طرح کا معاملہ کرنے میں کوئی مصلحت نہیں۔

اور چاہے وہ یہ معاملہ صریحاً کریں یا حیلہ سازی سے کریں، مثلاً: کسی فرضی سودے کی صورت بنائیں جو ان کا مقصد نہ ہو، نہ خریدار کو دلچسپی ہو اور نہ فروخت کنندہ کا مقصد اس فرضی چیز کی فروخت ہو۔ قاعدہ یہ ہے کہ وہ حیلہ جس سے کوئی واجب ساقط ہو یا کوئی حرام چیز حلال ہو تو وہ حیلہ باطل اور وہ سودا غیر منعقد ہوگا کیونکہ شریعت میں اعتبار معانی، مقاصد اور نیتوں کا ہے، الفاظ کا کوئی اعتبار و وقار نہیں اور نہ ان کی کوئی اہمیت ہے۔

۳: **قرض پر سود**: مثلاً کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی سے کوئی چیز بہ طور قرض لے۔ قرض دینے والا قرض لینے والے پر یہ شرط

[1] مثلاً: دیسی بارہ انڈوں کے بدلے تیرہ انڈے لیے جائیں۔ عفیف

[2] مثلاً بیس کلو گندم کے بدلے پچیس کلو گندم لی جائے تو یہ حرام ہے۔ عفیف

لگائے کہ جب واپس کرو گے تو اتنی رقم زیادہ یا نفع کے طور پر دو گے۔ یہ ایسی شرط ہے جس نے قرض کو قرض واحسان سے نکال باہر کیا اور اسے سودی معاملے کی شکل دے دی جو دراصل ایک مدت تک ادھار لی گئی رقم ہی ہے اور یہ مشروط نفع دراصل سود ہے۔
رہا یہ کہ سودی بینک کے لیے مکان کرائے پر دینا تو چونکہ تعاون علی المعصیۃ ہے، لہٰذا ہرگز جائز نہیں، ورنہ مالک مکان بھی سودی کاروبار کرنے والوں کے حکم میں شرعاً شامل ہوگا۔
هذا ما عندي والله أعلم بالصواب .

(بستان الموقنين وقرة عيون المؤمنين)

سوال: (۱) کیا زکاۃ کے مال سے قرآنِ مجید کی تفسیر یا کوئی دینی کتاب چھپوا کر فری تقسیم کی جاسکتی ہے؟
(۲) کیا زکاۃ کے مال سے کتاب چھپوا کر بغیر منافع کے فروخت کی جاسکتی ہے تاکہ تبلیغ دین عام ہو اور لوگوں تک سستی کتابیں پہنچ سکیں۔ (حافظ محمد عثمان، سرگودھا)

جواب: اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے، اس میں ہر کارِ خیر داخل ہے، لہٰذا کسی بھی کارِ خیر پر مال زکاۃ صرف کرسکتے ہیں۔ تفسیر فتح البیان میں ہے:

"وقيل: إن اللفظ (في سبيل الله) عام، فلا يجوز قصره على نوع خاص (جهاد، حج وعمره) ويدخل فيه جميع وجوه الخير من تكفين الموتى والجسور والحصون وعمارة المسجد وغير ذلك، والأول أولى لاجماع الجمهور عليه ."

''کہا گیا ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ عام ہے، اسے ایک قسم (جہاد وغیرہ) پر بند کرنا جائز نہیں اور اس میں تمام کارخیر داخل ہیں جیسے مردوں کو کفن دینا، پل تعمیر کرنا، مسجد بنانا وغیرہ وغیرہ۔ مگر پہلا قول صحیح ہے کیونکہ اس پر جمہور علمائے اسلام کا اجماع ہے۔''

"وقال بعضهم: إن اللفظ (في سبيل الله) عام فلا يجوز قصره على الغزاة ولهذا أجاز بعض الفقهاء صرف سهم في سبيل الله إلى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الجسور والحصون وعمارة المسجد وغير ذلك، قال: لأن قوله "في سبيل الله" عام في الكل فلا يختص بصنف دون غيره، والقول الأول هو الصحيح لاجماع الجمهور عليه ."

(تفسير خازن: ۲/ ۲۰٤)

''بعض نے کہا کہ ''فی سبیل اللہ'' لفظ عام ہے اس کو صرف غازیوں پر مقصور کرنا جائز نہیں، اس لیے بعض فقہاء نے فی سبیل اللہ کا حصہ ہر کارِ خیر میں صرف کرنا جائز قرار دیا ہے، مثلاً: مردوں کو کفن دینا، پلوں کی تعمیر، جیلوں کی تعمیر اور مساجد کی تعمیر وغیرہ۔ مگر پہلا قول (عدمِ جواز کا) صحیح ہے کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے۔''

اس لیے بہتر ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد اور (ابوداود وغیرہ کی احادیث کے مطابق) حج اور عمرہ لیا جائے۔ اگر لفظ فی سبیل اللہ کو عموماً لیا جائے تو پھر فقراء ومساکین وغیرہ کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، حالانکہ اس آیت میں فقراء ومساکین وغیرہ کا الگ ذکر کیا ہے، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ فی سبیل اللہ کا حصہ جہاد اور حج وغیرہ کے لیے خاص ہے اور اس میں وجوہ خیر کو داخل سمجھنا صحیح نہیں۔ لہٰذا صحیح اور محتاط یہ ہے کہ زکاۃ کی رقم سے قرآن وغیرہ چھاپ کر فری تقسیم کرنا جائز نہیں۔

علاوہ ازیں عام مشاہدے کے مطابق فقراء ومساکین کو نقد تعاون کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ روز مرہ کی ضروریات خرید سکیں اور کتاب چھاپنے میں ان کی حق تلفی ہوگی، لہٰذا یہ صورت اس فقیر کے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔

جنابِ محمد ﷺ اسم بامسمیٰ

عبدالستار خان پوری ہزاروی

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح: ۲۹]

''محمد اللہ کے رسول اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں کفار پر بڑے سخت ہیں، اپنوں میں بڑے رحم دل (یعنی آپس میں انتہائی نرم)۔''

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
جو ہو زرم حق وباطل تو فولاد ہے مومن

محترم قارئین! یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اسم اپنے مسمی پر دلالت کرتا ہے اور ہمارے پیارے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے جتنے بھی اسمائے مبارکہ ہیں اُن میں سے ہر ایک نام حضور ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن لي خمسة أسماء: أنا محمد وأنا أحمد وأنا الماحي وأنا الحاشر، وأنا العاقب.))

(صحيح بخاري: ۱/ ۵۰۱)

''بے شک میرے لیے پانچ اسماء ہیں: میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی (مٹانے والا ہوں)، میں حاشر ہوں اور میں عاقب (بعد میں آنے والا ہوں۔)''

یہ وہ اسمائے مبارکہ ہیں جو خود زبان نبوت سے رسول اللہ ﷺ نے بتائے ہیں۔ ان ناموں میں سے ہر ایک نام رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ، آپ ﷺ کے اوصاف، آپ ﷺ کی عادات، آپ ﷺ کے اخلاق، آپ ﷺ کے کردار وسیرت وصورت کے ساتھ تعلق اور موافقت ومناسبت رکھتا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم لفظ محمد ﷺ کا مطالعہ کریں گے۔

محمد ﷺ:

نبی کریم ﷺ کے اسماء میں سے مشہور ترین اسم محمد ﷺ ہے، جس کا معنی ہے: ''تعریف کیا گیا۔'' اور اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں، واقعتاً رسول اللہ ﷺ تعریف کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ عزوجل قرآن میں کہیں فرماتے ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح: ۲۹]

''محمد ﷺ اللہ کے رسول اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھی ہیں کفار پر بڑے ہی سخت آپس میں نرم دل اور نرم خو ہیں۔''

اور کسی مقام پر اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب: ۴۰]

''نہیں ہیں محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ اور لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں۔''

اور کہیں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ تو کسی جگہ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ تو کہیں فرمایا: ﴿يٰسٓ﴾ تو کہیں فرمایا: ﴿طٰهٰ﴾۔

آپ کا اسم بھی محمد ﷺ، مسمی بھی محمد ﷺ اور احمد کو بھی حمد سے نسبت اور جو کتاب آپ ﷺ پر اُتاری گئی اُس کی ابتدا بھی حمد سے، اُس کی انتہا بھی مضمون حمد سے ہوئی۔

محترم قارئین! پھر تعریف بھی دیکھیں کیسی ہے، قرآن میں اللہ عزوجل تعریف کرتے ہیں اور آسمانوں پر فرشتے اور انبیاء بھی تعریف فرمارہے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی جامع الصحیح میں ایک روایت نقل فرمائی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آسمانوں پر بھی جناب محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ہم آسمان دنیا تک پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی: کون؟ جبرائیل علیہ السلام فرمانے لگے: میں جبرائیل اور یہ میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ سن کر دروازہ کھولنے والے نے کہا: "نعم المجيء" ''بہت اچھا آنا ہوا۔''

پھر ایسے ہی آسمانوں کا سفر شروع ہوا، پہلے آسمان سے دوسرے، پھر تیسرے، پھر چوتھے، راستے میں ایک جگہ حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بھی تعریف فرمائی اور فرمایا:

"مرحبا لابن الصالح والنبي الصالح ."

''خوش آمدید نیکوکار بیٹے کے لیے اور نیکوکار نبی کے لیے۔''

اور راستے میں ایک مقام پر حضرت یحیٰ وعیسیٰ سے ملاقاتیں ہوئیں اُنھوں نے بھی فرمایا:

"مرحبا لأخي الصالح والنبي الصالح ."

''خوش آمدید نیکوکار بھائی اور نیکوکار نبی کے لیے۔''

پھر حضرت یوسف، موسیٰ علیہم السلام وغیرہ تمام نبیوں سے ملاقات فرمائی اور سب کے سب آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

(صحيح بخاري: ۵۴۸/۱)

محترم قارئین! مزید دیکھیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے تعریف کیے گئے ہیں کہ آسمانوں پر فرشتے اور انبیاء بھی آپ کی تعریف کرتے ہیں۔ زمین پر بسنے والے زمین کے باسی بھی ہر دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے الفاظ اپنی زبانوں سے نکالنا فخر محسوس کرتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وأحسن منك لم تر قط عيني
وأجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرء من كل عيب
كأنك قد خلقت كما تشاء

''اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جیسا حسین کبھی میری آنکھ نے دیکھا نہیں اور آپ جیسا جمیل کسی ماں نے جنا نہیں، آپ ہر عیب سے پاک ومبراء پیدا کیے گئے، گویا کہ آپ اپنی منشا کے مطابق پیدا کیے گئے ہیں۔''

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، چاندنی رات تھی اور آپ سرخ لباس میں ملبوس تھے، میں کبھی آپ کو دیکھتا ہوں کبھی چاند کو دیکھتا آخر کار میں نے فیصلہ یہ کیا:

"والله أحسن عندي من القمر ."

اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو میرے نزدیک چاند سے بھی زیادہ حسین ٹھہرے۔'' (سیرت النبی)

محترم قارئین! خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب حجر اَسود کی باری آئی تو لوگوں میں جھگڑا ہوا۔ ایک سردار نے کہا: میں حجر اسود کو نصب کروں گا، دوسرے نے کہا: میں۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ چلو جو کل صبح سب سے پہلے آئے گا وہی اس پتھر کو رکھنے کا حق دار ہوگا، لہٰذا جب اگلی صبح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سرداروں سے پہلے وہاں پہنچے اور بعد میں جو بھی آیا جس نے بھی آپ کو دیکھا دیکھ کر چلا کر بولا:

''آ گئے صادق اور امین آ گئے۔'' انھوں نے بھی تعریف فرمائی۔

جب کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آواز لگائی اور اعلان فرمایا:

((قد لبثت فيكم عمرا، هل وجدتموني صادقا أو كاذبا .))

''تحقیق میں نے تمھارے اندر ایک عمر گزاری، (اپنا بچپن ولڑکپن) کیا تم لوگوں نے مجھے سچا پایا کہ جھوٹا۔''

سارے کا سارا مجمع یک زبان ہو کر جواب میں کہتا ہے:

"ما جربناك إلا صادقا أو أمينا ."

''ہم نے بار بار تجربہ کر دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق وامین ہی پایا ہے۔''

اپنوں نے بھی تعریف کی اور بیگانوں نے بھی تعریف کی۔

محترم قارئین! اپنے تو تعریف ہی کریں گے اپنے جو ہوئے، بات تو تب ہے کہ بیگانے بھی تعریف کریں اور قربان جائیں جناب

محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر، آپ کی صداقت، دیانت، شرافت، رحم دلی اور بردباری کے تذکرے اپنوں کی زبانوں پر بھی عام اور غیروں کی زبانوں پر بھی رواں دواں ہیں اور جاری وساری ہیں۔

آپ ﷺ اللہ عزوجل کے پاس بھی محمود، ملائکہ مقربین کے ہاں بھی محمود، تمام انبیاء کے ہاں بھی محمود، اہل زمین کے ہاں بھی محمود اور جو آپ ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں اُن کے ہاں بھی محمود اور تو اور جو لوگ آپ کا کلمہ نہیں پڑھتے آپ پر ایمان نہیں لائے وہ بھی آپ کی سجایا وشیم کی مدحت سرائی میں گویا دکھائی دیتے ہیں۔

چنانچہ ملاحظہ فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ ایسا نمونہ پیش کرتی ہے کہ جس کی مثال نہ اگلوں میں ملتی ہے نہ پچھلوں میں ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اغیار کو بھی یہ کہنا پڑا ؎

آفاق ہا گر دیدہ ام مہربان و زیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما کو چیزے دیگری

جس کی ایک مثال مسٹر طامس کار لائل اپنی شہرہ آفاق کتاب (Heroes of the....) ''ہیروز آف دی ہیروز'' میں جب اشہر المشاہیر کے حالات قلم بند کرتے ہیں تو اُس وقت جب وہ گروہ انبیاء پر آتے ہیں تو ہمارے پیارے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا انتخاب کرکے اپنی کتاب کی زینت کو چار چاند لگاتے ہیں۔

جب رسولِ عربی ﷺ رات کے وقت مسجد کے اندر قرآن پڑھتے ہیں تو کفار چھپ چھپ کر قرآن پاک کی تلاوت سنتے ہیں، ان لوگوں میں سے یہی ایک ابوسفیان اور دوسرا اخنس بن شریک بھی ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی چھپ کر حضور ﷺ کی تلاوت سنتے ہیں۔ جب دونوں اکٹھے ہوتے ہیں تو ابوسفیان اخنس سے کہتے ہیں: دیکھو ہم نے اُس کا کلام سنا جو تم نے سنا، تمھارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ تم اس کلام کو کیسا سمجھتے ہو؟ اس پر اخنس بن شریک نے فورا کہا: "أراہ الحق" ''اگر سچ پوچھو تو میں اُس کو حق سمجھتا ہوں۔''

(سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد: ۲/ ۴۷۰)

محترم قارئین! اور تو اور دیکھیے ابوجہل بن ہشام جو حضور ﷺ کے سرکردہ دشمنان میں سے ایک تھا، وہ بھی حضور علیہ السلام کی مدحت میں مگن ہے۔ امام بیہقی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ جب ابتدا میں میں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا تو ایک دفعہ میں اور ابوجہل مدینے کے رستوں میں گھوم پھر رہے تھے کہ راستے میں ہماری ملاقات رسول عربی ﷺ کے ساتھ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل سے فرمایا: ''اے ابو الحکم! اللہ اور اُس کے رسول کی طرف آجاؤ میں تم کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔''

اس پر ابوجہل نے کہا: میں آپ ﷺ کی بات نہیں مانتا، اس لیے کہ آپ ﷺ ہمارے خداؤں کو چھوڑنے کا کہتے ہیں، اور اللہ کی قسم! اگر میں مان جاؤں کہ جو آپ کہتے ہو وہ حق ہے تو میں ضرور اُس (حق) کی پیروی کروں۔ اُس نے یہ کہا اور رسول عربی ﷺ چلے گئے۔ لیکن جب میں اور ابوجہل بن ہشام دونوں علیحدہ ہوئے تو ابوجہل نے مجھ سے کہا: ''اللہ کی قسم! میں یہ جانتا ہوں کہ وہ، یعنی محمد ﷺ، جو کہتا ہے حق ہے لیکن میں چند وجوہات کی بنا پر اُس کی اتباع نہیں کرتا۔ (سبل الرشاد: ۲/ ۴۷۳)

محترم قارئین! ابن اسحاق، مقاتل، ابن ابی حاتم، ابونعیم، بیہقی اور واحدی وغیرہ نے بھی ابن عباس کی سند سے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر سورۂ غافر نازل ہوئی تو آپ ﷺ اُس کی تلاوت مسجد میں فرما رہے تھے کہ پاس سے گزرتے ہوئے ولید بن مغیرہ نے تلاوت سن لی۔

پھر یہ وہاں سے بنی مخزوم کی مجلس میں آیا اور آکر اس طرح گویا ہوا کہ میں نے ابھی ابھی محمد عربی ﷺ سے ایک کلام سنا، حال یہ ہے کہ مجھے معلوم ہوا:

"ما هو من كلام الإنس ولا من كلام الجن."

''نہ وہ انسان کا بنایا ہوا کلام ہے نہ جنوں کا کلام ہے۔''

بے شک وہ بہت پرانا اور گہرائی والا کلام ہے۔ اس کلام میں بڑی مٹھاس وسرور ہے۔

محترم قارئین! آپ نے دیکھا کہ غیر بھی ہمارے پیارے نبی ﷺ کی تعریفیں ہی کرتے دکھائی اور سنائی دیتے ہیں۔

صلى الله عليه وعلى آله وبارك وسلم.

درس وموعظت

عید قرباں اور اُسوۂ حسنہ خلیل اللہ علیہ السلام

عبدالخالق حشر، لاہور

تقریباً تمام اقوامِ عالم نے سال میں کچھ دن اجتماعی تفریح کے لیے مقرر کر رکھے ہیں۔ یہ اجتماعات بالعموم موسموں کی تبدیلی کی خوشی میں، کسی تاریخی واقعے کی یاد میں اور کسی قومی راہنما کی ولادت کا دن منانے کی غرض سے منعقد ہوتے ہیں۔ ان دنوں میں لوگ اپنے اپنے ملکی رواج کے مطابق میدانوں میں جمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، عمدہ لباس زیب تن کرتے ہیں اور اپنے اپنے معروف طریقوں سے خوشی مناتے ہیں۔ ان اجتماعات کی غرض زیادہ تر یہی ہوتی ہے کہ روزمرہ کے معمولات سے پیدا شدہ اکتاہٹ کو دور کیا جائے اور قلب وذہن کو تروتازگی بخشی جائے کیونکہ انسان طبعی طور پر ایک خاص مدت کے بعد یکسانیت سے گھبرا جاتا ہے اور تبدیلی چاہتا ہے۔ لیکن ایسے مواقع پر لوگوں کی سرگرمیاں بالعموم لہو ولعب تک ہی محدود رہتی ہیں کیونکہ ایسے اجتماعات کی بنیاد کسی روحانی امر پر نہیں ہوتی۔

ظہورِ اسلام سے پہلے اہل عرب بھی تفریح کے لیے تہوار مناتے تھے۔ نبی کریم ﷺ جب مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ جاہلیت کے زمانے میں ہم دو دن (نو روز اور مہرجان) بہ طور تہوار مناتے تھے۔ ان دونوں کی بنیاد ستاروں کی گردش اور تبدیلیِ موسم پر تھی۔ ان کی ابتدا ایرانیوں نے کی تھی۔ آہستہ آہستہ عرب میں بھی اس کا رواج ہوگیا۔ یہ تہوار بھی محض کھیل تماشے تک محدود تھے۔ ان کی غرض بھی کوئی اخلاقی اور روحانی تربیت نہیں تھی۔ آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان دنوں کے عوض اسلام نے تمھارے لیے بھی دو دن مقرر کیے ہیں جو اس سے کہیں بہتر ہیں: عید الفطر، عید الاضحیٰ۔ عید الاضحیٰ ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کی یادگار ہے جو انھوں نے اپنے رب کے کہنے پر پیش کی۔

کمالِ عشقِ حق:

اشاعت دین کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک معاون کی ضرورت تھی۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی! مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحین میں سے ہو۔ اللہ نے آپ علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ پیرانہ سالی میں آپ کے گھر حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جن کی طبع میں پیدائشی طور پر استقامت، بردباری اور حلم ایسے اوصاف ودیعت کیے گئے تھے۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن سے شدائد برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر حکم ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اس کی والدہ ہاجرہ کو مکہ کی بے آب وگیاہ سرزمین میں چھوڑ آؤ۔ آپ علیہ السلام تعمیل حکم میں دونوں کو وہاں چھوڑ آئے۔ پانی کا وہاں دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ نہ زندگی کی کسی اور سہولت کا سراغ، تنہائی اور بے بسی۔ ایسے میں حضرت ہاجرہ کی پریشانی تصور کی گرفت میں بھی نہیں آسکتی۔ مناسک حج میں صفا اور مروہ میں سعی کرنا حضرت ہاجرہ کے پانی کی تلاش میں سات پھیرے لگانے کی ہی یادگار ہے۔ بہ ظاہر زندگی وہاں ناممکن تھی لیکن اللہ کے ہاں کوئی شے ناممکن نہیں، وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ اعجازی طور پر اللہ نے وہاں پانی کا چشمہ جاری کردیا جو آبِ زم زم کے نام سے آج تک موجود ہے ؏

تُو جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب چلنے پھرنے کے قابل ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آرزوؤں کے بار آور ہونے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کررہے ہیں، اس بیٹے کو جس کو پیرانہ سالی میں ہزار التجاؤں اور دعاؤں سے

دینِ حق کی تبلیغ میں معاونت کی غرض سے اللہ سے حاصل کیا تھا، جو ان کے بازو کی قوت بننے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام ملاحظہ ہوں:

''جب اسماعیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو انھوں نے ایک دن کہا: ''اے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم کو راہِ حق میں ذبح کر رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ماجرا ہے، تم اس پر غور کرو کہ اب کیا کرنا چاہیے۔'' بیٹے نے بلا تامل کہا: ''اس خواب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے ایک اشارہ ہے، پس آپ حکم الٰہی کو پورا کیجیے۔ مجھے ان شاء اللہ ثابت قدموں اور صبر کرنے والوں میں پائیے گا۔'' (الصافات)

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تمام آرزوؤں، دینی مصلحتوں، امنگوں اور اُمیدوں کو بالائے طاق رکھ کر اس اشارۂ غیبی کو پورا کرنے کے لیے اپنی عزیز ترین متاع کو راہِ حق میں قربان کرنے کے لیے لٹا دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست کے جذبۂ عشق اور فنا فی الٰہی کی قدر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابراہیم! بس کر، راہِ حق میں ہمیں جہاں تک امتحان مطلوب تھا، دیکھ لیا۔ فی الواقع بیٹے کو ذبح کرنا مقصود نہیں تھا۔

طغیانِ نازبیں کہ جگر گوشۂ خلیل
در زیرِ تیغ رفت و شہیدش نمے کنند

اللہ تعالیٰ کے احکام ملاحظہ ہوں:

''اے ابراہیم بس کر! تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم صاحبانِ احسان کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ دراصل یہ بہت بڑی قربانی تھی جس کی تعمیل کے لیے تم تیار ہوگئے اور ذبیح فدیہ میں ہم نے بہت بڑی قربانی دے دی (یعنی سنت ابراہیمی کی یادگار تا قیامت جاری رہنے والی قربانی) اور تمام آنے والی اُمت میں اس واقعہ عظیم کا ذکر قائم کر دیا۔'' (الصافات)

عیدالاضحیٰ پر جانوروں کی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی سنت کو قائم رکھنے کے لیے دی جاتی ہے۔

قربانی کا مقصد:

ظہورِ اسلام سے پہلے بت پرست اقوام بھی قربانی دیا کرتی تھیں۔ اُن کا یہ نظریہ تھا کہ دیوی دیوتاؤں کے حضور میں جانوروں کی قربانی پیش کرنے سے وہ خوش ہوجاتے ہیں اور انسانوں کی زندگیوں کو ان کے خوش ہونے سے امن وسکون حاصل ہوتا ہے، مصائب وآلام ختم ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے تمام باطل نظریات کو ردّ کرتے ہوئے فرمایا:

''یاد رکھو اللہ تعالیٰ تک نہ تو ان قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے، نہ خون۔ اس کے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ تو صرف تمھارا تقویٰ ہے (یعنی تمھارے دل کی نیکی ہے۔)'' (الحج)

یعنی عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی کا مقصد یہی ہے کہ احترامِ انسانیت کی خاطر اگر ہم کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنا آرام، وقت، دولت حتی کہ جانِ عزیز بھی قربان کرنی پڑے تو دریغ نہ کریں کیونکہ قربانی کا جذبہ ہی وہ جذبہ ہے جس سے حیاتِ انسانی کا مقصد، یعنی تکمیل ذات اور رضائے الٰہی حاصل ہوسکتی ہے۔ ہمیں اپنی زندگی اس نہج پر ڈھالنے کی سعی کرنا چاہیے کہ جب بھی اور جہاں بھی عظمت آدمیت مجروح ہوتی نظر آئے ہم ہمہ قسم کی دنیوی تمتع، نفس امارہ کی اطاعت، منفی مصلحتیں، گروہی اور لسانی غلو پسندی سب ترک کرکے وقت کی پکار پر لبیک کہیں۔ معاشرتی حسن اسی وقت داغ دار ہوتا ہے جب انسانوں کے دل میں قربانی کے جذبے سے گریز کا رجحان پیدا ہوجائے اور خود غرضی انسانوں کا شعار بن جائے۔ دراصل اسلام کی تمام تر تعلیمات کی غرض اصلیہ یہی ہے کہ وقارِ انسانیت اور اعلائے کلمہ حق کی خاطر انسانوں میں قربانی کا جذبہ بیدار کیا جائے۔ محبت ویگانگت کی ضرورت اور ثمرات کو انسانوں کے قلب وذہن کی گہرائیوں میں اتارا جائے تاکہ دنیا وآخرت میں سرخروئی حاصل ہو۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ①

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اکابر علمائے دیوبند

ابوعبداللہ طارق، جامعہ رحمانیہ، لاہور

زیرنظر مضمون مفتی حامد نعمانی صاحب (وحدت روڈ، لاہور) کے تنقیدی مکتوب کا جواب ہے۔ دسمبر ۲۰۱۱ء کے ''الاحیاء'' میں جناب حسن موہل صاحب نے ایک مضمون پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ دیوبندی حضرات امام الدعوۃ محمد بن عبدالوہاب ؒ سے سخت عناد رکھتے ہیں۔ (ص:۴۷) اس جملے کو پڑھ کر مفتی صاحب مذکور نے ایک جوابی مکتوب لکھا جو فروری ۲۰۱۲ء کے ''الاحیاء'' میں شامل اشاعت ہے۔ اس خط میں انھوں نے علمائے دیوبند کے ان خیالات کی تردید اور تاویل کی ہے جو شیخ محمد بن عبدالوہاب ؒ کے خلاف تھے اور یہ موقف اختیار کیا ہے کہ دیوبندی علماء ہمیشہ سے شیخ ؒ کی خدمات کے معترف رہے ہیں۔ مفتی صاحب کے بقول علمائے دیوبند نہ پہلے شیخ ؒ کے مخالف تھے اور نہ اب ہیں۔ درحقیقت ان کی یہ دونوں باتیں ہی غلط ہیں۔ چونکہ مفتی صاحب نے اپنے علماء کی صفائی میں یہ مکتوب لکھا ہے جس سے وہ ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کے مصداق ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حدیث اور اہل تقلید کے درمیان جو اختلافات کی خلیج حائل ہے اس کے ذمہ دار دراصل اہل حدیث ہیں۔ اس بات کا اظہار انھوں نے اگرچہ لفظوں میں تو نہیں کیا لیکن مجموعی طور پر تأثر ان کے مکتوب سے یہی اُبھرتا ہے۔
بہرحال، ضرورت تھی کہ ان کے مکتوب کے مندرجات کا کڑا جائزہ لیا جائے اور ان کے دعاوی کی قلعی کھولی جائے تاکہ حقیقت پوری طرح کھل کر سب کے سامنے آجائے۔ یہ ذمہ داری فاضل مضمون نگار محترم ابوعبداللہ طارق صاحب نے نبھائی اور ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے دلائل وبراہین کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ علمائے دیوبند کا پہلے بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب ؒ کے خلاف وہی معاندانہ رویہ تھا جو موجودہ دور کے علماء کا ہے۔ اگرچہ پسِ پردہ مقاصد کے حصول کے لیے وہ کبھی تو اخباری بیان کی صورت میں رجوع کرتے دکھائی دیتے ہیں اور کبھی کسی اور صورت میں۔ (حمادالحق نعیم)

ماہنامہ ''الاحیاء'' (لاہور) فروری ۲۰۱۲ء کے صفحہ نمبر ۹۳ پر جناب مفتی حامد نعمانی کا ایک طویل مکتوب شائع ہوا جس میں آن جناب نے انڈیا کے ایک دیوبندی عالم مولانا منظور نعمانی صاحب کی ایک کتاب ''شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق'' کو شیخ محمد بن عبدالوہاب ؒ سے متعلق علمائے دیوبند کے موقف کی حقیقی ترجمانی قرار دیا ہے اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے شیخ ؒ سے متعلق ''الشہاب الثاقب'' میں موجود مولانا حسین احمد مدنی اور ''التصدیقات'' میں موجود مولانا خلیل احمد صاحب کا جو مسلک ہے اس سے ان کے رجوع کر لینے کا دعویٰ کیا ہے جب کہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کا مسلک جو فیض الباری میں موجود ہے، شاہ صاحب سے اس کے صدور کو ہی محل نظر ٹھہرا دیا ہے۔ یہی چیز ہماری ان معروضات کا باعث بنی ہے کیونکہ مولانا منظور نعمانی صاحب اور ان کی تقلید میں مفتی حامد نعمانی صاحب کے یہ دعاوی بہ ذاتِ خود محل نظر ہیں۔

❀......مولانا حسین احمد مدنی دیوبندی لکھتے ہیں:

''صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدا تیرھویں صدی نجدِ عرب سے ظاہر ہوا۔ اور چونکہ یہ خیالاتِ باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا، اس لیے اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل وقتال اور ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا ...... الحاصل وہ ایک ظالم وباغی، خونخوار فاسق شخص تھا۔''

(الشہاب الثاقب، ص:۱۸۴، ادارہ تحقیقات اہل سنت، بیگم پورہ، لاہور)

مولانا مدنی کے اپنے اس مذکورہ مسلک سے رجوع کر لینے کی بنیاد روزنامہ ''زمیندار'' (لاہور) کے ۱۷ر مئی ۱۹۲۵ء کے شمارے میں مولانا صاحب کی طرف منسوب ایک بیان کو بنایا گیا ہے جو درج ذیل ہے:

''مجھ کو اس امر کے اعلان کرنے میں ذرّہ پس وپیش نہیں کہ میری وہ تحقیق جس کو میں بہ خلاف اہل نجد ''رجوم المدنیین'' اور ''الشہاب الثاقب'' میں لکھ چکا ہوں، اُس کی بنا اُن کی کسی تالیف وتصنیف پر نہ تھی بلکہ محض افواہوں یا اُن کے مخالفین کے اقوال پر تھی۔ اب ان کی معتبر تالیف بتا رہی ہے کہ ان کا خلاف اہل سنت والجماعت سے اس قدر نہیں جیسا کہ ان کی نسبت مشہور کیا گیا ہے بلکہ چند جزوی امور میں صرف اس درجے تک ہے کہ جس کی وجہ سے اُن کی تکفیر، تفسیق یا تضلیل نہیں کی جا سکتی۔''

حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس افسانہ نما اخباری رجوع کے ۳۲ سال بعد تک مولانا مدنی حیات رہے اور ۱۹۵۷ء۔ ۱۳۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ جب کہ ان کی یہ کتاب ان بے بنیاد اور غلط باتوں پر مبنی مواد کے ساتھ ہی شائع ہوتی رہی بلکہ ابھی تک ہو رہی ہے۔ خیر پہلے تو مولانا مدنی پروپیگنڈے سے متأثر تھے اور ممکن ہونے کے باوجود تحقیق کی زحمت نہ کی لیکن اس مزعومہ اخباری رجوع کے بعد تو ''الشہاب الثاقب'' میں موجود ان غیر تحقیقی باتوں اور فتووں کو حذف کر دیا جاتا یا کم از کم کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں اس اخباری بیان کو ہی کتاب کے ساتھ شائع کر دیا جاتا تاکہ اس کتاب کے قارئین شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے متعلق مزید کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ اور پھر ان کی جماعت اور ناشرین میں سے کسی نے بھی آج تک اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، حالانکہ اس مسئلے کی جو نوعیت ہے اور مولانا مدنی جس طرح کے آدمی تھے، اعلانِ رجوع تو کجا اگر اس اخباری بیان ہی کی کوئی حقیقت ہوتی تو پورے ہند میں اپنوں اور مخالفوں میں اس فکری تبدیلی کا غلغلہ مچ جانا تھا اور اس کے بڑے دور رس نتائج ہونے تھے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا صاحب کے اس مزعومہ بیان یا رجوع کو ان کی کسی تصنیف، مکتوب یا کسی عقیدت مند کی کسی کتاب واخبار یا رسالے میں بھی جگہ نہ مل سکی۔ بلکہ یہ بیان جو ملا بھی تو ظفر علی خاں صاحب کے ''زمیندار'' سے جو مولانا کے سیاسی حریف تھے اور آل سعود کی حمایت میں رطب ویابس سب کچھ جمع کیے جا رہے تھے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ رجوع کے دعوے پر بہ طور دلیل پیش کیے جانے والے ۱۷ر مئی ۱۹۲۵ء کے اس محولہ بالا اخباری بیان کے ۲۶ سال بعد اور ''الشہاب الثاقب''، جو کہ ۱۳۲۸ھ-۱۹۱۰ء میں مولانا کی پہلی تصنیف ہے، کے ۴۲ سال بعد ربیع الاوّل ۱۳۷۰ھ میں بھی مولانا مدنی اپنی پہلی تصنیف ''الشہاب الثاقب'' میں شیخ محمد بن عبدالوہاب سے متعلق لکھے ہوئے اپنے موقف پر قائم ہیں اور اسے ہی اپنا اور بلا استثنا اپنے اسلاف کرام کا مسلک بتاتے ہیں اور کسی بھی قسم کے رجوع کی صاف تردید کر دیتے ہیں بلکہ کئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی فرما دیتے ہیں۔ قارئین کرام! شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں اکابر علمائے دیوبند کے اصلی موقف ومسلک کی درست ترجمانی کے لیے درج ذیل سوالیہ مکتوب اور مولانا مدنی کا جوابی مکتوب ملاحظہ فرمائیں:

الف: ''بہ خدمت حضرت شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!

۱: کیا کتاب ''الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب'' وہابیوں اور بریلویوں کے خلاف آپ کی ہی تصنیف ہے؟

۲: اب بھی آپ وہی مسلک رکھتے ہیں یا اس سے رجوع فرمایا ہے؟

جس مسلک کا آپ نے اپنی اس کتاب میں اظہار کیا ہے اور محمد بن عبدالوہاب مرحوم کو آپ خارجی ہی تصور کرتے ہیں یا متبع سنت عالم، جیسا کہ آپ کے پیر ومرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں تحریر فرمایا ہے

(پھر یہاں دو سوال مزید ہیں جن کا ہمارے اس مکتوب سے تعلق نہیں ہے)۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان سوالات کے جوابات ضرور بالضرور تحریر فرمائیں گے اور آپ سے زیادہ اب کوئی ایسا آدمی نہیں جو قابلِ اعتماد ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری زندگیاں بھی آپ کو دے دے اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے، آمین بحرمت سیّد المرسلین ﷺ

والسلام

ریاض احمد قاسمی''

قارئین کرام! اب مولانا حسین احمد مدنی کا جوابی مکتوب بھی ملاحظہ فرمائیں:

''جناب ریاض احمد صاحب قاسمی (میرلاج تکیہ سارہواں، اندرون موچی دروازہ، لاہور) کے نام

محترم المقام! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!

امور مسئولہ کا جواب ذیل میں ہے:

۱: بے شک کتاب "الشھاب الثاقب علی المسترق الکاذب" میری پہلی تصنیف ہے جو کہ مولوی احمد رضا خان کے (حسام الحرمین کے) خلاف میں لکھی گئی تھی۔ وہابیوں کا تذکرہ اس میں ضمناً آیا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اِفراط وتفریط دونوں سے علیحدہ ہیں۔ ان کا مسلک معقول اور بین بین ہے اور اہل سنت والجماعت اسلاف کرام کے سچے متبع ہیں۔

۲: اب بھی میرا وہی مسلک ہے جو اس کتاب میں ظاہر کیا گیا ہے اور یہی مسلک میرے اسلاف کرام کا ہے۔ محمد بن عبدالوہاب اور اس کی جماعت کو میں نے نہیں بلکہ علامہ شامی نے بھی اپنی کتاب ''ردالمختار شرح درمختار'' میں جو کہ فقہ حنفی میں نہایت مستند اور مفتیٰ بہ کتاب ہے۔ جلد ثالث، ص:۳۳۹ میں بھی لکھا ہے۔ صاحبِ رد المختار علامہ شامی رحمة الله علیه چونکہ اسی طرف کے رہنے والے اور اسی زمانے کے ہیں۔ ۱۲۳۳ھ میں جب کہ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت نے حجاز پر قبضہ اور تسلط کیا ہے وہ حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے ہیں، جیسا کہ انھوں نے (جلد اوّل، ص:۴۷ میں) تصریح کیا ہے، پس وہ محمد بن عبدالوہاب اور اس کی جماعت سے واقف ہیں۔ دور دور کے رہنے والے اور زمانہ بعد میں ہونے والے اتنے واقف نہیں ہوسکتے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سره العزیز بہت بعد کے لوگوں میں ہندوستان کے باشندے ہیں اور ان کو اس قدر اس جماعت کے احوال معلوم نہیں ہیں، چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ (ص:۶۴) میں اس کی تصریح فتوے میں موجود ہے۔ اور ص:۸ میں جو عبارت اس میں تحسین میں لکھی گئی ہے وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سره العزیز اس کتاب شامی پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے، عموماً ان کے فتاویٰ اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

والسلام

ننگ اسلام حسین احمد غفرلہ، دیو بند۔

۴/ربیع الاوّل ۱۳۷۰ھ''

(مکتوبات شیخ الاسلام: ۲/ ۲۸۱ تا ۲۸۳، مکتوب نمبر: ۱۱۹، مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی۔ طبع محرم الحرام ۱۴۱۵ھ۔ جون ۱۹۹۴ء۔ مجلس یادگار شیخ الاسلام، کراچی۔) [1]

[1] اس مکتوب کا ذکر مذکورہ بالا حوالے سے مولانا مدنی کے شاگرد مولانا قاضی زاہد الحسینی نے بھی آپ کی سوانح حیات ''چراغ محمد'' (ص:۱۲۰، طبع سوم ستمبر ۲۰۰۷ء، دارالارشاد، اٹک، پاکستان) میں بالاختصار کیا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ مولانا مدنی سے فیض یافتہ مولانا نجم الدین اصلاحی نے مولانا مدنی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ان مکتوبات کی اشاعت کی ان سے اجازت لی تھی۔ اور پہلی دو جلدیں مولانا مدنی کی زندگی میں ہی شائع ہو چکیں تھیں اور باقی دو بعد میں۔ (ابو عبداللہ)

قارئین کرام! فیصلہ فرمائیں، کیا مولانا مدنی کے رجوع کو ثابت کرنے کے لیے اس مزعومہ اخباری بیان پر اعتماد کیا جائے گا یا پھر عدمِ رجوع کے لیے مولانا کی آخر زندگی کی اپنے ہاتھوں کی تحریروں پر اعتماد کیا جائے گا جس میں عدمِ رجوع کی صراحت اور رجوع کی واضح تردید موجود ہے۔

ب: اور مولانا مودودی کے عقائد اور افکار ونظریات پر تنقید کرتے ہوئے مذکورہ بالا مکتوب کے دس ماہ بعد (محرم الحرام ۱۳۷۱ھ میں) مولانا مدنی مزید فرماتے ہیں:

''کیا اسی قسم کی تعلیم کا نتیجہ وہ نہ تھا جو خوارج سے نہروان وغیرہ میں مسلمانوں اور حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے اصحاب اور اتباع کے خون بہانے کی صورت میں ظاہر ہوا اور جو کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اتباع نے حجاز، مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں ۱۲۲۰ھ سے ۱۲۲۳ھ تک مسلمانوں کے خون کے دریا بہانے کی صورت میں پیدا کیا۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام: ۳/ ۸۵، مکتوب نمبر: ۱۵۔ دوسرا نسخہ: ۳/ ۹۷، طبع شوال ۱۳۷۸ھ۔ اپریل ۱۹۵۹ء مکتبہ دینیہ، دیوبند، انڈیا)

ج: اور انگریز دور کے بعد مولانا حسین احمد مدنی (متوفی جمادی الاوّل ۱۳۷۷ھ۔ ۱۹۵۷ء) کی اپنی آخری دورِ حیات کی تالیف اپنی خود نوشت سوانح عمری ''نقش حیات''، جس کی تکمیل واشاعت ۱۹۵۳ھ میں محولہ بالا ۱۷/ مئی ۱۹۲۵ء والے اخباری بیان اور رجوع کے ۲۸ سال بعد ہوئی، میں بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی طرف نسبت کردہ افکار وعقائد کے بارے اپنے یا اپنے مشائخ واَسلاف کے رجوع کر لینے کے اعلان کی بجائے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے عقائد کے بارے ''الشہاب الثاقب'' میں لکھی گئی باتوں کا ہی بالاختصار اعادہ کیا گیا ہے۔ مولانا مدنی لکھتے ہیں:

''وہابیہ بارگاہ نبوت میں گستاخانہ کلمات استعمال کرتے رہتے ہیں۔'' (نقش حیات: ۱/ ۱۲۱، دوسرا نسخہ: ۱/ ۱۲۳)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

''وہ عقائد واقوال جو طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز (بین أهل السنة وبينهم) ہیں ان کے خلاف ان حضرات (یعنی اکابر بزرگانِ دیوبند) کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔'' (نقش حیات: ۱/ ۱۲۰، طبع: ۲۰۰۶ء المیزان، لاہور۔ دوسرا نسخہ: ۱/ ۱۲۲، دارالاشاعت، کراچی)

اور پھر شیخ صاحب اور ان کی طرف نسبت کردہ عقائد کے ردّ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تصانیف وعبارات کا تذکرہ کرتے ہیں اور پھر مزید فرماتے ہیں:

''الغرض، وہابیہ کے عقائد وخیالات اور ان کے اعمال سے ان بزرگواروں، یعنی اکابرِ دیوبند کو دُور کا بھی تعلق نہیں ہے اور نہ تھا۔ وہ (وہابیہ) مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات پر مشرک اور کافر قرار دیتے ہیں اور ان کے مال اور خون کو مباح جانتے ہیں اور جانتے تھے، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار میں لکھا ہے۔'' (نقش حیات: ۱/ ۱۲۱، دوسرا نسخہ: ۱/ ۱۲۶)

قارئین کرام! مولانا حسین احمد مدنی کی اپنی آخری زندگی کی یہ تحریریں اظہر من الشّمس ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی طرف نسبت کردہ عقائد کے بارے میں ''الشہاب الثاقب'' میں لکھا گیا جو مسلک مولانا مدنی کا شروع میں تھا ان کی آخر زندگی میں بھی ان کا وہی مسلک تھا اور یہ مولانا صاحب کا صرف اپنا انفرادی مسلک نہیں تھا بلکہ بلا استثنا ان کے اسلاف کرام کا مسلک بھی یہی تھا جس کا مولانا زندگی بھر پرچار کرتے رہے ہیں۔

مفتی حامد نعمانی صاحب کے بہ قول لیکن تھوڑی سی ترمیم و اِضافے کے ساتھ عرض ہے کہ اب مفتی حامد نعمانی صاحب ہی فرمائیں کہ مولانا مدنی نے جس مسلک کا علم آخر زندگی میں بھی تھامے رکھا اور اس سے رجوع کر لینے کی صاف تردید فرما دی تو پھر ان کے حوالے سے مزعومہ رجوع کر لینے والی بات کو بیان کرتے چلے جانا دیانت کی کون سی قسم ہے؟ اور اگر انھیں اور ان کے معتمد علیہ مولانا

منظور نعمانی صاحب کو اس تردید اور عدمِ رجوع کا علم نہیں تھا تو کیا ان کی یہ ذمہ داری نہ تھی کہ وہ تنقید سے پہلے اچھی طرح تحقیق کر لیتے۔

❀...... مولانا حسین احمد مدنی نے اپنے مذکورہ بالا پہلے مکتوب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں اپنے اور اپنے اسلاف کے مسلک کو واضح بیان کرتے ہوئے اپنے پیرو مرشد مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ (ص:۷) کی ایک عبارت جس سے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی تحسین کا پہلو نکلتا تھا، کی بھی حقیقت واضح فرما دی کہ دراصل یہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ اور ایک جگہ تو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کے عقائد ونظریات کا ردّ اور ان سے اعلان براءت کرتے ہوئے بلکہ بے بنیاد الزامات کی بارش کرتے ہوئے مولانا مدنی مزید فرماتے ہیں:

''علمائے دیوبند اور وہابیہ کا چھٹا اختلاف:

وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالۃ جانتے ہیں اور ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ واہیہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت والجماعت کے مخالف ہوگئے، چنانچہ غیر مقلدینِ ہند اسی طائفہ شیعہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ وقتِ اظہارِ دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن عمل درآمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل کے مذہب پر نہیں ہے بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ حنابلہ خیال کرتے ہیں اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا مثل بھی غیر مقلدین کے اکابرِ امت کے شان میں الفاظ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول بہ ہے۔''

(الشہاب الثاقب، ص:۲۰۵)

اور آگے جا کر فرماتے ہیں:

''فتاویٰ رشیدیہ میں متعدد مقامات میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے طائفہ وہابیہ غیر مقلدین کو فاسق تحریر فرمایا ہے اور ان کے اقتدا کو مکروہ کہا۔'' (الشہاب الثاقب، ص:۲۰۷، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اہل سنت، بیگم پورہ، لاہور)

گزارش یہ ہے کہ مولانا گنگوہی کے مسلک کے بارے کسی قسم کی لب کشائی سے پہلے مولانا مدنی کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ دوسروں کی نسبت وہ اپنے پیرومرشد کے من کی مراد کو زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں۔

❀...... مولانا رشید احمد گنگوہی کے پہلے خلیفہ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ خاص مولانا خلیل احمد سہارنپوری شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں انھیں خارجی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحبِ درمختار نے فرمایا ہے۔ اور خوارج ایک جماعت ہے شوکت والی جنھوں نے امام پر چڑھائی کی تھی تاویل سے کہ امام کو باطل یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہماری جان ومال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔ (پھر مزید فرماتے ہیں:) اور علامہ شامی نے اس (درمختار) کے حاشیے (رد المحتار) میں فرمایا ہے: جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبدالوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے۔ اپنے کو حنبلی مذہب بتاتے تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں۔ اور جو ان کے عقیدے کے خلاف ہو وہ مشرک ہے۔ اور اسی بنا پر انھوں نے اہل سنت اور علمائے اہل سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا۔''

(عقائد علمائے دیوبند، ص:۴۶، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور)

الف: مفتی حامد نعمانی صاحب کے بہ قول مولانا منظور نعمانی کے نزدیک مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا یہ موقف علامہ شامی کے بیان کی بنیاد پر ہے۔ (ماہنامہ الاحیاء، ص:۹۵، فروری ۲۰۱۲ء)

سوال یہ ہے کہ مولانا سہارنپوری کے اس موقف کی بنیاد علامہ شامی کا بیان ہے۔ کیا یہ کہہ کر اس زیرِ بحث مسئلے میں جان چھڑائی

جاسکتی ہے اور اس طرح اس کی اہمیت کم ہوسکتی ہے یا اس سے معاملہ مزید گھمبیر ہوجاتا ہے؟

آخر علامہ شامی کن کے ہیں اور ان کے موقف کا وزن کن کے پلڑے میں پڑے گا؟ پہلے تو مولانا حسین احمد مدنی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا انور شاہ کشمیری وغیرہ کے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کی طرف نسبت کردہ عقائد ونظریات سے متعلق مسلک سے مولانا منظور صاحب وغیرہ پریشان تھے اور تاویلات کا سہارا ڈھونڈ رہے تھے۔ جب کہ غور طلب بات تو یہ ہے کہ علامہ شامی جیسی شخصیت کو یہ حضرات کس کھاتے میں ڈالیں گے؟ اور تاویل وتوجیہ کے لیے کون سی سان ان کے لیے نصب کریں گے؟ اور پھر ''ردّ المحتار'' جیسی فقہ حنفی کی مستند اور مفتیٰ بہ کتاب ان کے نزدیک جس مقام واعتماد کی حامل ہے وہ بھی محتاجِ بیان نہیں ہے اور مولانا حسین احمد مدنی نے بھی اس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اپنے حق میں پیش کیا ہے۔

ب: رہی یہ بات کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کی طرف نسبت کردہ عقائد کے بارے جو کچھ "التصدیقات" میں لکھا گیا اور شائع ہوا ہے اس کی بنیاد علم وواقفیت پر نہیں تھی بلکہ مسائل کے بیان، پروپیگنڈے اور عام شہرت کے بنا پر مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے لکھ دیا تھا جب کہ بعد میں ان کی رائے تبدیل ہوگئی تھی۔

(ماہنامہ الاحیاء، ص:۹۶، فروری ۲۰۱۲ء)

محترم قارئین! غور فرمائیں، شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کے عقائد سے متعلق جوابات اور فتوے بالجزم اور متعین کرکے دیے گئے، البتہ تحقیق کا معیار اتنا اعلیٰ ہے کہ بہ قول مولانا منظور نعمانی، یہ سب کچھ علم وواقفیت کے بغیر ہی، مسائل کے بیان، عام شہرت اور پروپیگنڈے کی بنا پر تھا۔ اور پھر یہاں ایک آدھ جواب یا عبارت کا معاملہ نہیں ہے بلکہ کتاب کے لکھے جانے کے اسباب میں سے ایک بڑا اور بنیادی سبب ہی یہ تھا کہ شیخ صاحب رحمہ اللہ اور ان کے عقائد سے اعلان براءت کیا جائے، جیسا کہ کتاب کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہے:

"أيها العلماء الكرام والجهابذة العظام! قد نسب إلى سماحتكم الكريمة أناس عقائد الوهابية."

''اے علمائے کرام اور سردارانِ عظام! تمھاری جانب چند لوگوں نے وہابی عقائد کی نسبت کی ہے۔''

(عقائد علمائے دیوبند، ص:۲۸ مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)

اور پھر اس کتاب کے مندرجات بھی اس پر شاہد عدل ہیں کیونکہ اس کا ایک بڑا حصہ شیخ رحمہ اللہ اور ان کے عقائد کے ردّ اور ان سے براءت پر مشتمل ہے۔ اب مفتی حامد نعمانی صاحب ہی فرمائیں کہ یہ دیانت کی کون سی قسم ہے؟ اور اگر علم نہیں تھا تو کیا ان کی یہ ذمہ داری نہ تھی کہ پہلے اچھی طرح تحقیق کرلیتے اور اب بعد والوں کو بھی تاویلات کے سہارے ڈھونڈنے کا تکلف نہ کرنا پڑتا۔

اور پھر ان متئولین حضرات کو اتنا تو غور کرلینا چاہیے تھا کہ "المهند" میں جو کچھ لکھا ہوا ہے یہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی انفرادی رائے نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ مذہب اور عقیدہ ہے جو ہر باب میں صواب، حق صریح، نص صریح، قول فیصل اور قول حق واقعہ کے مطابق ہے اور حق کے بعد تو صرف گمراہی ہی ہے اور بلاشبہ یہ سب کچھ "المهند" کے تصدیق کنندگان زعمائے دیوبند اور ان کے تمام مشائخ واکابر دیوبند کے اجماعی عقائد ہیں، جیسا کہ مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا احمد حسن امروہی، مفتیِ اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مولانا قدرت اللہ مراد آبادی، مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی، مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا محمد احمد قاسمی نانوتوی بن مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد سہول دیوبندی (مدرس دارالعلوم دیوبند)، مولانا محمد اسحٰق نہٹوری دہلوی، مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہانپوری، مولانا محمد قاسم دہلوی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا قاری محمد اسحاق میرٹھی، مولانا محمد مسعود احمد بن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد مصطفیٰ بجنوری میرٹھی، مولانا محمد یحییٰ سہسرامی اور مولانا محمد کفایت

اللہ گنگوہی وغیرہ۔ ۲۴ قدیم تصدیق کنندگان علماء وزعماء دیوبند نے کسی بھی سوال وجواب، مسئلہ، عبارت یا لفظ پر کسی بھی قسم کے تحفظ یا استثنا کے بغیر اپنی تصدیقات میں جا بہ جا تصریحات فرمائی ہیں۔

(عقائد علمائے دیوبند، ص: ۸۸ تا ۱۰۶)

بلکہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدنی چکوالی فرماتے ہیں:

''(اس کتاب سے) بزرگانِ دیوبند کا حقانی وحقیقی مسلک واضح ہو جاتا ہے گویا کہ "المھند" اکابرِ دیوبند کی ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس میں دیوبند مسلک اصولی طور پر محفوظ کر دیا گیا ہے۔'' (مقدمہ عقائد علمائے دیوبند، ص:۱۹ مطبوعہ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور)

اور مولانا مفتی سیّد عبدالشکور ترمذی (سابق مفتی خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون ومہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ، ساہیوال) تو بڑے ہی واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

''اسی مجموعۂ سوالات وجوابات اور ان کی تصدیقات کا نام "المھند علی المفند" معروف بہ "التصدیقات لرفع التلبیسات" ہے۔ یہ مجموعہ ۱۳۲۵ھ میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس مجموعے کے مندرجہ عقائد کی چونکہ صرف یہی حیثیت نہیں ہے کہ وہ کسی فرد یا ایک شخص کی انفرادی رائے یا ذاتی عقیدہ ہے اور نہ ان کی خدانخواستہ یہ حیثیت ہے کہ ان کو غیر واقعی اور غیر تحقیقی سمجھتے ہوئے اہل بدعت کے جواب میں محض رفع الزام اور دفع الوقتی کے طور پر لکھ دیا گیا ہو، جیسا کہ سنا گیا ہے کہ بعض لوگ ایسا کہہ دیتے ہیں کیونکہ اس صورت میں اکابر کی دیانت مجروح ہوتی ہے اور اُن پر سخت الزام آتا ہے کہ انھوں نے غلط اور خلافِ حق سمجھتے ہوئے ان عقائد کا اظہار کر دیا۔ یہی تو اہل بدعت کا ان پر الزام ہے، اس لیے یہ کہنا اکابر کی کھلم کھلا توہین کرنا اور ان کو برملا کتمانِ حق کا مجرم ٹھہرانا ہے۔ اس سے بڑھ کر اکابر کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے۔ بلکہ ان عقائد کو علمائے مدینہ منورہ کے سوالات کی روشنی میں اُس وقت کے اکابرِ دیوبند کے تحقیقی مسلک کے طور پر وہ بھی بہ حیثیت ''جماعتی مسلک دیوبند'' کے پیش کیا گیا تھا، اس لیے یہ مجموعہ علمائے دیوبند کے عقائد کے معلوم کرنے کے لیے ایک تحریری دستاویز اور متفقہ مسلکی وثیقہ ہے اور مسلک دیوبند کے دیکھنے اور جانچنے کے لیے بہ منزلہ آئینہ اور کسوٹی کے ہے۔ اور ساتھ ہی یہ ہر اُس شخص کا جواب بھی ہے جو علمائے دیوبند کی طرف کسی بھی عقیدے کو غلط طور پر منسوب کرے۔'' (مقدمہ ''خلاصہ عقائد علمائے دیوبند''، ص:۱۵۲، ۱۵۳ مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)

"المھند" اور اس میں لکھے ہوئے ایک ایک لفظ کا مسلک دیوبند میں کیا مقام وحیثیت ہے، مذکورہ بالا تصدیقات وتصریحات اس بارے میں روزِ روشن کی طرح بالکل واضح ہیں۔ مناظر احناف دیوبند محمد امین صفدر اوکاڑوی کے جانشین اور "المھند" کے محشی مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی صاحب فرماتے ہیں:

''عظیم بشارت! بندہ کو مخدوم العلماء، فخر سادات حضرت سیّد نفیس الحسینی قدس سرہ العزیز کے ایک خلیفہ مجاز نے بتایا کہ حضرت شاہ صاحب نے مجھے بتایا کہ جن دنوں میں قاضی مظہر حسین صاحب کے حکم پر میں "المھند" کی کتابت کر رہا تھا چونکہ بڑوں کا حکم تھا، اس لیے کام کی جلد تکمیل کے لیے رات گئے تک کتابت کرتا، ایک رات ایک یا دو بجے کے بعد سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی مسجد ہے جس میں نبی اقدس ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ نے یا میں نے ہاتھ میں "المھند" پکڑ رکھی تھی (شک بندہ محمود کی طرف سے ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اس میں عقائد ہیں وہی میرے عقائد ہیں۔ للہ الحمد علی ذلك.'' (مقدمہ "المھند علی المفند" مع حواشی محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی، ص:۱۲، ناشر: مکتبہ محمودیہ صفدریہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

(باقی آئندہ)

سیرت وسوانح

شیخ الحدیث حافظ عبداللہ خلیق بھٹوی رحمہ اللہ جوارِ رحمت میں

محمد رفیق زاہد، مدیر التعلیم دارالحدیث راجووال

جماعت اہل حدیث قحط الرجال کا شکار ہے۔ ماضی قریب میں کتنے ہی درخشندہ ستاروں کی روشنی سے محروم ہوچکی ہے۔ اگر سال رواں کو عام الحزن کا نام دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں۔ ابھی محدث العصر حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ کا غم بھول نہ پائے تھے کہ ایک مزید غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ عرب وعجم کی معروف اور نابغہ روزگار شخصیت اور عظیم سکالر حافظ عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا۔ ابھی ان کا غم ذہنوں سے محو نہ ہوا تھا کہ سلف کی نشانی، منبر ومحراب کی زینت اور مرزائیت کے لیے برہنہ تلوار حضرت مولانا عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ اس جہانِ فانی کو خیر باد کہہ گئے۔ ایسے ہی اگر ماضی کے دریچوں میں جھانکیں تو پتا چلتا ہے ع

یہ زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

ماضی قریب کی بات ہے، ابھی چند ہی ماہ قبل ایک شخصیت جو مسند تدریس پر رونق افروز تھی، ملک کے مختلف معروف اداروں میں علم کی روشنی پھیلائی اور نام وَر شاگردوں کی جماعت تیار کی۔ میری مراد استاذ الاساتذہ حضرت حافظ عبداللہ خلیق بھٹوی رحمہ اللہ ہیں جو ضلع اوکاڑا کے معروف گاؤں بھٹہ محبت میں ۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ بمطابق ۲۹/نومبر ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام خلیل احمد تھا۔ جتالہ برادری سے ان کا تعلق تھا۔

ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں رہ کر حاصل کی۔ پرائمری تک سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ اس وقت موضع جھجھ کلاں میں حافظ نور محمد تھے جو ظاہری بصارت سے تو محروم لیکن باطنی بصارت اور بصیرت سے مالا مال تھے، وہ کامیاب مدرس اور مستجاب الدعوات تھے۔ اپنے شاگردوں پر بے انتہا شفقت فرماتے اور ہر ممکن علمی فوائد سے مستفید فرماتے۔ حضرت الاستاذ نے ان بزرگوں سے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی اور تقریباً دو سال میں مکمل قرآن اپنے سینے میں ضبط کرلیا۔ تقریباً پندرہ سال کی عمر میں پہلا مصلیٰ اپنے استاد حافظ نور محمد رحمہ اللہ کی موجودگی میں سنایا۔ ایک شاگرد کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہوتا ہے کہ وہ اپنے استاد کی موجودگی میں مصلیٰ سنائے یا خطبہ اور وعظ کرے۔

حفظ قرآن کے بعد اپنی تعلیم کے حصول کے لیے ضلع قصور کے معروف گاؤں حسین خان والا میں تشریف لے گئے اور مولانا بشیر احمد رحمہ اللہ سے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔ مزید شعور پیدا ہوا تو ۴۔ جی ڈی المعروف درس ڈھلیانہ میں داخلہ لیا۔ اس وقت درس ڈھلیانہ کا بڑا نام تھا۔ حافظ عبدالرزاق جو ابھی بقید حیات ہیں، سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور حافظ محمد بھٹوی رحمہ اللہ بھی وہاں مسند تدریس پر رونق افروز تھے۔ اور ان کے ساتھ مولانا عبدالرحیم رحمہ اللہ بھی طلباء کو زیور تعلیم سے آراستہ کررہے تھے۔ حضرت الاستاذ نے ان سب سے کسبِ فیض کیا۔ حضرت حافظ صاحب نے ان اساطین علم سے مستفید ہونے کے بعد مزید علم میں رسوخ حاصل کرنے کے لیے جامعہ محمدیہ اوکاڑا کی طرف رجوع کیا۔ جامعہ محمدیہ اوکاڑا میں اس وقت امام النحو حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی رحمہ اللہ اور مولانا معین الدین لکھوی اور حافظ عبداللہ بڈھی مالوی تشنگانِ علم کی پیاس بجھا رہے تھے۔ حافظ عبداللہ خلیق بھٹوی علیہ الرحمۃ نے ان سے خوب استفادہ کیا اور سلف کی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے علم کی منازل کو حاصل کرنے کے لیے جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی طرف رجوع کیا۔ اس وقت جامعہ سلفیہ میں عظیم محدث اور مفسر مولانا عبدہ الفلاح اور مولانا شریف اللہ خان اور دیگر کئی

شیوخ علمی جواہر پارے بکھیر رہے تھے۔ استاد مکرم حافظ عبداللہ بھٹوی نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے اور اپنے دامن کو علمی جواہرات سے خوب بھرا۔

منقولات اور معقولات کے لیے جامعہ اشرفیہ (لاہور) میں داخلہ لیا اور جید علمائے کرام سے استفادہ کیا۔ خاندان غزنویہ کے روشن کیے ہوئے چراغِ علم سے روشنی حاصل کی۔ مولانا سیّد داود غزنوی اور محشی سنن نسائی مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔ یوں تو آپ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہوگی۔ ہر ایک کا تذکرہ اور ان تک رسائی مجھ جیسے کم علم کے لیے صرف محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

حضرت حافظ صاحب ممدوح نے حصولِ علم کے بعد عملی میدان میں قدم رکھا اور ۱۹۵۷ء میں سب سے پہلے دارالحدیث الجامعۃ الکمالیہ (راجووال) میں تدریس شروع کی۔ الجامعۃ الکمالیہ (راجووال) کے بانی اور مؤسس شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ ہیں۔ حضرت شیخ نے یہ شمع ۱۹۴۹ء میں روشن کی جو تا حال تابندہ اور روشن ہے اور اس کی روشنی ہر سُو پھیل رہی اور بے شمار اصحاب یہاں سے فیض یاب ہوکر اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک دین حنیف کی خدمت اور اشاعت و ترویج میں مصروف ہیں۔

پھلا پھولا رہے یا رب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ پودا میں نے پالا ہے

دلی دعا ہے کہ یہ چمن تا قیامت شاد رہے اور اس کی آبیاری کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ مزید توفیق دے۔

بات چل رہی تھی استاد محترم حافظ عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کی کہ حضرت شیخ نے تدریس کا آغاز دارالحدیث راجووال سے کیا۔ آپ کے ابتدائی شاگردوں میں حضرت مولانا محمد صدیق سلیم حفظہ اللہ اور مولانا عبدالرشید حفظہ اللہ کے نام مل سکے ہیں۔ یقیناً اس وقت دارالحدیث راجووال میں کئی طلباء ہوں گے، بہرحال مجھے صرف دو کے نام معلوم ہوسکے ہیں۔ ان میں اوّل الذکر راقم آثم کے بھی استاد محترم ہیں۔ تقریباً چار سال تک میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

دارالحدیث راجووال میں آپ دو مرتبہ پڑھانے کے لیے تشریف لائے۔ دوسری مرتبہ آپ غالباً ۱۹۹۰ء تا میں تشریف لائے اور ۱۹۹۲ء تک یہاں رہے۔ اس وقت بھی دارالحدیث عروج پر تھا۔ محترم عبداللہ سلیم رحمہ اللہ اس وقت مہتمم تھے۔ اس دور میں بھی کثیر طلبائے علم نے آپ سے استفادہ کیا۔ اس دور کے شاگرد پروفیسر عبید الرحمٰن محسن ہیں اور ان کے دیگر کئی ساتھی بھی ہوں گے جن کے نام مجھے معلوم نہیں ہوسکے۔

دارالحدیث راجووال کے علاوہ بھی آپ نے کئی مدارس میں خدمات انجام دیں، مثلاً: ضلع قصور کے مشہور قصبہ کنگن پور، ضلع فیصل آباد کے قصبہ جڑانوالہ، میاں چنوں، راولپنڈی، خانیوال اور چک نمبر 126/ML۔

ایک عرصہ تک دارالحدیث جامع مسجد چینیانوالی (لاہور) میں شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی سرپرستی میں چلنے والے مدرسے میں بہ طور مدرس کام کیا۔

اسی طرح اپنی مادر علمی جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں بھی کچھ عرصہ پڑھایا۔ جامعہ رحمانیہ لاہور میں بھی پڑھاتے رہے۔ علاوہ ازیں ضلع قصور کے معروف قصبہ گہلن ہٹھاڑ مدرسہ ضیاء الاسلام میں آپ کی خدمات حاصل کی گئیں اور وہاں آپ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ راقم آثم کو اسی مدرسہ ضیاء الاسلام میں شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔

ضیاء الاسلام میں پڑھنے والے کافی طلباء نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ چند کے نام مجھے یاد ہیں، مثلاً: عبداللہ طاہر بن مولانا محمد صدیق سلیم، عبداللہ امجد بہاری پور، ماسٹر محمد اختر (گہلن)، ماسٹر عبدالرزاق (بھاگیووال)، محمد رفیق زاہد (گہلن)، سیف اللہ قصوری، محمد اسلم قصوری، محمد اصغر (مستووال)، پروفیسر حافظ عبدالمتین راشد (چھینہ)۔ تمام کے تمام شاگرد اپنی اپنی جگہ دین کی خدمت پر مامور ہیں اور اپنی ذمہ داریوں میں مصروف ہیں۔

جماعت کے معروف ادارہ مرکز الدعوۃ (ستیانہ بنگلہ) میں بھی پڑھایا۔ جامعہ سلفیہ (راولپنڈی) میں ۱۹۶۸ء میں تقریباً ایک سال

تک پڑھاتے رہے۔ یوں تو آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جن میں بعض علمی اعتبار سے بڑی قدر آور شخصیات بھی ہیں۔ ان چند شخصیات کے نام میرے ذہن میں گردش کررہے ہیں جن کا حافظ صاحب مرحوم اکثر اپنی گفتگو میں تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔

ان میں استاذی المکرّم فضیلۃ الشیخ محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ ہیں جو اس وقت جامعہ رحمانیہ میں مسند شیخ الحدیث پر فائز ہیں۔ حافظ عبدالستار گجر، یہ بھی جامعہ رحمانیہ میں کافی عرصہ مدرس رہ چکے ہیں۔ پروفیسر چوہدری یٰسین ظفر صاحب جن کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ فضیلۃ الشیخ یونس بٹ صاحب جو جامعہ سلفیہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ وفاق المدارس کے کنٹرولر بھی ہیں۔ حافظ عبدالغفار ریحان، الشیخ عبدالحی انصاری جو جامعہ رحمانیہ (لاہور) میں مدرس رہ چکے ہیں۔ اب ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد میں الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے ساتھ تصنیف وتالیف میں مصروف ہیں۔ مولانا منیر احمد قمر صاحب جو اس وقت سعودی عرب میں مقیم ہیں اور کافی کتب کے مصنف ہیں اور ماشاءاللہ ان کا قلم بڑا رواں ہے۔ استاذی المکرّم حافظ عبدالاعلی صاحب جو جامعہ رحمانیہ میں مدرس رہ چکے ہیں اب برطانیا میں جماعتی خدمات میں مصروف ہیں۔ پروفیسر نجیب اللہ طارق، حافظ محمد شریف صاحب (مرکز تربیۃ الاسلامیہ، فیصل آباد) جن کا علمی میدان میں نمایاں مقام ہے۔ مولانا محمد شریف غوری بلتستانی، بلتستان کے علاقے میں اچھی شہرت کے حامل ہیں۔ مالدیپ کے مولانا فاروقی، استاذی المکرّم الشیخ شفیق مدنی حفظہ اللہ جو جامعہ رحمانیہ میں مدیر التعلیم کے عہدے پر ایک لمبا عرصہ فائز رہے۔ آپ لاہور شہر کے معروف علاقہ جوہر ٹاؤن میں جدید طرز کا اپنا اور وہ بھی چلا رہے ہیں۔ قاری عبدالحلیم صاحب جو کہ سعودی عرب میں مقیم ہیں اور ادارۃ المساجد کے ساتھ منسلک تھے۔ پاکستان میں کئی مساجد اور مدارس تعمیر کروا چکے ہیں۔ محقق عالم دین حافظ عبدالرؤف سندھو جو اس وقت غالبًا کویت میں مقیم ہیں۔ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد آف کویت مصنف زاد الخطیب اور دیگر کئی کتب کے مصنف اور مترجم بھی ہیں۔ کویت کی جمعیۃ احیاء التراث میں شعبہ دعاۃ کے مسئول ہیں۔ مفتی عبدالحنان جو کہ عرصہ دراز سے جامعہ سلفیہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ مفتی جامعہ کے عہدے پر بھی فائز ہیں۔

ان شخصیات کے علاوہ بھی یقیناً حضرت حافظ صاحب کے بے شمار شاگرد مختلف میدانوں میں مصروف عمل ہیں جو حضرت الاستاذ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ میدانِ خطابت میں خطیب پاکستان حافظ عبداللہ شیخوپوری کا نام بڑا نمایاں نظر آتا ہے۔

آپ کی اولاد پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں میں تمام بیٹے حافظ قرآن ہیں۔ بڑے بیٹے حافظ ارشد صاحب جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) سے فارغ التحصیل ہیں۔ مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے ہیں۔ آپ حافظ صاحب کی بنائی ہوئی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

اُستاذِ محترم اس حدیث کے صحیح مصداق ہیں:

((إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة أشياء: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له.))

آپ کی تعمیر کی ہوئی مسجد ومدرسہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ ((علم ينتفع به)) کئی شاگرد ہیں جو مدارس، جامعات اور کالجز اور میدانِ خطابت میں لوگوں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

((ولد صالح)) کہ آپ کی ساری اولاد ہی دین دار ہے۔ تمام بیٹے حافظ قرآن ہیں۔ بڑے بیٹے کے بارے میں ابھی ذکر ہوا جو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں جامعہ پنجاب سے ایم۔اے کرچکے ہیں اور باپ کی طرح انتہائی سادہ مزاج ہیں۔

دوسرے بیٹے حافظ محی الدین ہیں جو صرف حافظ قرآن اور زراعت کا کام کرتے ہیں۔

تیسرے بیٹے قاری معین الدین ہیں۔ حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ متجود قاری ہیں اور شعبہ تحفیظ کے کامیاب مدرس ہیں۔

چوتھے بیٹے حافظ زبیر عبداللہ ہیں جو جامعہ رحمانیہ (لاہور) کے فاضل ہیں، اور بہاء الدین یونیورسٹی سے ایم۔اے کررکھا ہے اور

آرمی میں خطیب ہیں۔

پانچویں بیٹے حافظ عزیر ہیں۔ حفظ قرآن کے ساتھ ایف۔ اے تک عصری تعلیم حاصل کی اور اب تجارت کے شعبے سے منسلک ہیں۔

دو بیٹیاں ہیں: امت الرقیب اور امۃ الحفیظ جو صوم وصلاۃ کی پابند ہیں۔

اُستاد محترم کے ہم سبق بھی یقیناً سیکڑوں میں ہوں گے لیکن چند کے نام معلوم ہو سکے ہیں، جن میں سرفہرست شیخ الحدیث، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبداللہ امجد چھتوی حفظہ اللہ جن کی ذات محتاج تعارف نہیں اور مفتی عبیداللہ عفیف شیخ الحدیث جامعہ اہل حدیث (لاہور) ہیں۔

اللہ تعالیٰ استاد محترم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

حالاتِ حاضرہ

یہ امریکی ستم کب تک......؟

محمد سلیم چنیوٹی

ملالہ یوسف زئی اور اس کی دو ساتھی طالبات پر گزشتہ دنوں دہشت گردی کی کارروائی ہوئی اور وہ شدید زخمی ہوگئیں۔ یہ دہشت گردی کی کارروائیاں امریکا کی وہ سلگائی ہوئی آگ ہے جسے صلیبی جنگ کہا جاسکتا ہے۔ کارروائی کیا ہوئی ہے کہ پاکستانی قوم دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسی کارروائی پہلی دفعہ تو ہوئی نہیں اور نہ آئندہ کبھی نہ ہونے کا عندیہ دیا جاسکتا ہے۔ ایسی شرارتیں تو روزانہ کی بنیاد پر جاری ہیں۔ یہ ساری کارروائی ایک نئے رخ کی طرف مڑنے کے لیے امریکیوں نے ہی اختیار کی ہے۔ اس میں امریکی بھرپور طریقے سے ملوث ہیں۔ ہمیں ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی اور چہار اطراف دیکھ کر چلنا ہوگا کہ طاغوت افغانستان میں بری طرح پٹ چکا ہے۔ اس کی عقل اس طرح ماؤف ہوچکی ہے کہ اسے دن رات نظر آرہا ہے اور رات دن۔ آئے روز وہ کس ڈھٹائی سے مسلمانوں بالخصوص پاکستان میں ایسی کارروائیاں کررہا ہے کہ جس سے پاکستان غیر مستحکم ہوجائے۔ گزشتہ دنوں آرمی چیف جناب کیانی کا دورۂ روس اور روسی وزیر خارجہ کی پاکستان آمد امریکہ، اسرائیل اور بھارت کی نیندیں حرام کیے ہوئے ہے۔

۹/۱۱ کے بعد ایک عرصے تک امریکی واویلا یہ رہا کہ اس واقعہ میں اسامہ بن لادن ملوث ہے۔ اس کی آڑ میں اس نے افغانستان میں تابڑ توڑ حملے کیے۔ اسامہ اور اس کے ساتھی تو ایک منصوبے کے تحت ایک طویل عرصہ تک تلاش نہ ہوسکے۔ آہستہ آہستہ وہ مقصد بھی نہ حاصل ہوسکا جس کی خاطر یہ سارے پاپڑ بیلے گئے کہ افغانستان کی سر زمین سے چھپے خزانے نکال لیے جائیں اور یہاں روس کی طرح قبضے میں لینے کی سوچ نے بھی مات کھالی۔

اب تک امریکی صورت حال یہ ہے کہ ۹/۱۱ کے واقعے کو اس کے ایک سابق وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ یہ سارا اسرائیلی یہودیوں کا کیا دھرا تھا اور اس کے پیچھے اسرائیلی یہودی لابی ہی ہے۔ اب اسرائیل زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گا۔

(روزنامہ نوائے وقت، ۹/اکتوبر ۲۰۱۲ء)

پاکستان کے شمال سرحدی علاقوں کے قبائل میں بعض عناصر طاغوت کی شہ پاکر مصروف عمل ہوگئے ہیں۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر امریکا اور اس کے نام نہاد اتحادی ''دہشت گردی'' کی جنگ کا عندیہ دے کر ان علاقوں میں ''آپریشن'' کروانا چاہتے ہیں جو کسی طرح بھی پاکستان کی سلامتی کے لیے اچھا نہ ہوگا۔ پاکستانی وزیر داخلہ رحمٰن ملک کے بیانات کے مطابق اس علاقے کے امن کو خراب کرنے میں بیرونی ہاتھ ملوث ہیں، حالانکہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ان سرگرمیوں کی پشت پناہی میں امریکا، اسرائیل اور بھارت شامل ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو پاکستان کے دیگر پر امن علاقے (کراچی، کوئٹہ اور شمالی وزیرستان) بھی اس جنگ کے اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ آئے دن دہشت گردانہ خودکش حملے، فائرنگ، ٹارگٹ کلنگ کے واقعات رونما ہو رہے ہیں جن میں ہزاروں معصوم جانیں نشانہ بن چکی ہیں۔ سیکڑوں زخمی ہوچکے ہیں۔ سہاگنوں کے سہاگ اجڑ چکے ہیں، کئی ایک بچے یتیم و بے آسرا ہیں۔

طاغوتی کارروائیاں جس طرح وطن پاکستان کے استحکام، سالمیت، قومی سطح پر دراڑیں ڈالنے والی ہیں اسی طرح نت نئے طریقوں سے پوری قوم کو دو حصوں میں تقسیم رکھنا چاہتی ہیں۔

مجرم امریکا کا چہرہ پوری دنیا میں بے نقاب ہوا تھا کہ اس نے ایک دل آزار فلم کے ذریعے پوری دنیا کے مسلمانوں میں نفرت کی لہر دوڑادی

تھی اور دیگر ممالک اسلامیہ کی طرح پاکستانی عوام اور مسلمانوں نے یک جہتی کے کئی ایک مظاہرے کیے۔ ریلیاں نکالیں، جلوس وجلسے کیے۔ ان جلسوں میں بھی امریکیوں نے اپنے ایجنٹ بھیجے اور کچھ ناخوش گوار واقعات رونما کردادیے کہ اس تحریک کا رخ ہی مڑتا محسوس ہونے لگا۔

خدارا پاکستانی عوام، ذمہ داران طبقہ اور حکمران وسپہ سالاران افواج پاکستان طاغوت کی چالوں کو سمجھتے ہوئے ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھائیں اور قومی وملّی جذبے سے استحکامِ اسلام وپاکستان کو یقینی بنائیں۔

آئندہ ہونے والے انتخابات میں ایک صحیح الفکر طبقے کو آگے آنے کے لیے ضرور کوششیں کرنی چاہئیں۔ اسلام وپاکستان لازم وملزوم ہیں اور اپنا ایک تشخص رکھتے ہیں۔

اعلانِ تعطیلات

ہفت روزہ الاعتصام اور مولانا عطاء اللہ حنیف لائبریری بہ سلسلہ تعطیلات عید الاضحیٰ مؤرخہ 27 اکتوبر 2012ء تا یکم نومبر 2012ء بند رہیں گے۔ نیز الاعتصام کا شمارہ نمبر 43، جلد 64، 2 نومبر 2012ء کے بجائے 9 نومبر 2012ء کو اشاعت پذیر ہوگا، ان شاء اللہ۔

قارئین کو عید الاضحیٰ 1433ھ کی خوشیاں مبارک ہوں۔

(ادارہ)

دارالحدیث اوکاڑا کی ۵۳ ویں سالانہ تقسیم اسناد کانفرنس

بتاریخ: ۱۰ نومبر ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ بعد نماز عشاء ان شاء اللہ۔

زیر سرپرستی: حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی حفظہ اللہ۔ زیر صدارت: جناب چوہدری محمد انوار الحق صاحب

مقررین: قاری محمد حنیف ربانی صاحب، مولانا عبدالرزاق ساجد خطاب کریں گے۔

عبداللہ یوسف، ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ، اوکاڑا

فون نمبر: 0312-4403173

ضروری اعلان

ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین وحضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

- مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
- مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام وصفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔
- جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کردیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔
- مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے اداہ معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

ضرورتِ مدرس وخادم

① ...... جامعہ محمدیہ اہل حدیث جام پور کے لیے ایک مدرس کی ضرورت ہے جو طلباء کو تجوید کے ساتھ قرآنِ مجید حفظ کروا سکے۔

② ...... مرکزی جامع مسجد اہل حدیث وجامعہ کے لیے خادم کی ضرورت ہے جو صفائی ستھرائی میں مہارت رکھتا ہو اور بہ وقت ضرورت امامت بھی کروا سکے۔

ضرورت مند حضرات فون پر رابطہ کریں۔

تنخواہ حسب لیاقت دی جائے گی، ان شاء اللہ

برائے رابطہ

محمد یٰسین راہی

مدیر ادارہ تبلیغ اسلام، جام پور، ضلع راجن پور

فون نمبر: 0333-8556472-73

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت ونوعیت

مؤلف: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ضخامت: ۲۸۷صفحات

ناشر: ام القریٰ پبلی کیشنز، سیالکوٹ روڈ، فتو منڈ، گوجرانوالہ

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

اہل حدیث اور اہل تقلید اپنے اپنے مناہج کے اعتبار سے الگ الگ حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ اہل حدیث ''تمسک بالکتاب والسنۃ'' پر عمل پیرا ہیں جب کہ اہل تقلید اپنے اپنے ائمہ کرام کے اقوال وافعال پر کاربند رہتے ہیں۔ تقلیدی راہ کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے طریق پر رہتے ہوئے جامد رہیں اور اگر ان کے اعمال وافعال کے آگے صحیح حدیث بھی آجائے تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہمارے ائمہ نے جو سمجھا، ان کے فہم تک ہم نہیں پہنچ سکتے، اس لیے اس حدیث کو ہم نہیں مانتے۔ یہ ''ہم نہیں مانتے'' ہی اصل تقلید ہے۔

زیر تبصرہ کتاب مختلف مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے جو محترم مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی اپنی نگرانی ونظر ثانی کے ساتھ طبع ہوا ہے۔ اہل تحقیق کے لیے یہ کتاب بڑی مفید ومعلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں اہل حدیث اور اہل تقلید کے مناہج کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے کہ اس میں اہل تقلید کے گروہوں کی تقلیدانہ ذہنیت کا آپ بہ خوبی مطالعہ کرسکیں گے اور اہل تقلید کے عقائد پر آپ گہری نظر سے دیکھ بھی سکیں گے۔

زیر تبصرہ کتاب میں امام العصر حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، حضرت مولانا محمد حنیف ندوی رحمہما اللہ اور مولانا عبدالرحمٰن ضیاء صاحب حفظہ اللہ کے نہایت جاندار، شان دار اور منہج قرآن وسنت پر مبنی مضامین ومقالات ہیں۔

کتاب کے صفحہ ۲۷ سے شروع ہونے والا محترم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ کا تحریر کردہ ایک اہم مبحث ہے جو اصل میں حضرت العلام حافظ محمد صاحب محدث گوندلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''الاصلاح'' پر لکھا گیا مقدمہ ہے۔

اس مقالے میں بدعات، تقلید، قیاس اور اجتہاد جیسے موضوعات پر سیر حاصل مواد موجود ہے۔ یہ مقالہ بڑا محققانہ، علم وتفقہ اور تدقیق وتحقیق کا خزینہ ہے۔

یہ اہم کتاب ام القریٰ پبلی کیشنز (گوجرانوالہ) نے شائع کی ہے۔ اس کو منصۂ شہود پر لانے کے لیے ہم خراج تحسین پیش کرتے ہیں فضیلۃ الشیخ خالد الفلاح المطیری حفظہ اللہ (رئیس لجنۃ القارۃ الهندیۃ، الکویت) اور محترم برادر گرامی فضیلۃ الشیخ محمد عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ (رئیس مرکز الجالیات، الکویت) کو کہ ان کی خصوصی توجہ اور خاص تعاون سے یہ مفید کتاب خوانندگان کی خدمت میں پیش ہو رہی ہے۔ اہل تحقیق یہ کتاب ضرور زیر مطالعہ رکھیں۔ اہل حدیث کے منہج قرآن وسنت اور اہل تقلید کے منہج تقلید ائمہ کا اصل اختلاف واضح ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔

پاکستان میں اردو سیرت نگاری (ایک تعارفی مطالعہ)

مؤلف: سیّد عزیز الرحمٰن

ضخامت: ۱۷۶صفحات

قیمت: ۱۵۰/- روپے

ناشر: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اے۔۴/۱۷ ناظم آباد نمبر۴، کراچی۔ فون: 021-36684790

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بہت سے تاریخ دانوں، سوانح نگاروں اور علمائے کرام نے خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا، ہر اسلوبِ سیرت سے ان کے قلم گوہر بار سے منصۂ شہود پر آیا۔ پاکستان کی پینسٹھ سالہ تاریخ میں اردو سیرت نگاری بھی

خوانندگانِ گرامی کی خدمت میں پیش ہوتی رہی۔

مؤلف کتاب ہذا سیّد عزیز الرحمٰن صاحب خوش قسمت انسان ہیں جنھوں نے یہ ساری تفصیل ایک کتابی شکل میں جمع کردی ہے، جو پاکستان کی حد تک اردو زبان میں سیرت کے موضوع پر جناب رسولِ آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حضور مصنّفین و مؤلفین نے اپنے فکروفن کی کاوشیں اردو زبان میں پیش فرمائی ہیں۔ یہ تفصیل اہم کتب سیرت، ادبی پہلوؤں، منظوم کتب، پی ایچ ڈی کے مقالات، دیگر مذاہب کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر، محاضرات، مقالات، تراجم، بچوں کے لیے سیرت پر کتب، سفرنامے کی تفاصیل، سیرت کانفرنسوں کی تفصیل، سیرت پر ایوارڈ یافتہ کتب، رسائل وجرائد کے اہم سیرت نمبر، سیرت نگاری کا جائزہ جیسے اہم عنوانات کی تفصیل پر مشتمل ہے۔

سیرت رسولِ اکرم ﷺ ایک ایسا موضوع ہے کہ جس پر تا قیامِ قیامت لکھا جاتا رہے گا۔ کروڑوں صفحات پر سیرت کے موتی بکھرے پڑے ہیں۔ لاکھوں لکھنے والے ہیں اور آئندہ بھی آتے رہیں گے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ مؤلف کی یہ خدمت قبول فرمائے اور عامۃ المسلمین کو کتب سیرت پر مطالعے کی توفیق فرمائے۔ زوار اکیڈمی کراچی کے منتظمین مبارک باد کے مستحق ہیں کہ جنھوں نے یہ تاریخی کتاب شائع کی ہے۔ اللہ کریم یہ کاوش قبول فرمائے، آمین۔

تکمیل آرزو (سفرنامۂ حج وعمرہ)

مصنف: **ڈاکٹر کیپٹن غلام سرور شیخ**

ضخامت: **۱۵۲ صفحات**

قیمت: **۱۳۰/- روپے**

ناشر: **صغریٰ تاج پبلشر، ۱۷ سی گلفشاں کالونی، جھنگ روڈ، فیصل آباد۔**

سٹاکسٹ: **مکتبہ ناصریہ، پریس مارکیٹ، امین پور بازار**

تبصرہ نگار: **محمد رمضان یوسف سلفی**

حج اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک ہے۔ اس کی ادائیگی کے لیے ہر مسلمان اپنے دل میں تڑپ رکھتا ہے لیکن سعادت قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ حج بیت اللہ کے بعد حاجی گناہوں سے ایسے پاک ہوجاتا ہے جیسے آج ہی اُس کی ماں نے اُسے جنا ہو۔

ہمارے بزرگ دوست محترم ڈاکٹر غلام سرور شیخ (ایم بی بی ایس) کا شمار بھی ان خوش بختوں میں ہوتا ہے جنھیں مارچ ۲۰۰۱ء میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اور دیارِ حبیب ﷺ میں حاضری کا موقع ملا۔ محترم ڈاکٹر صاحب جہاں اچھے معالج ہیں وہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو لکھنے پڑھنے کے ذوق سے بھی بہرہ مند فرمایا ہے۔ اصلاح امت اور معاشرے کی تطہیر کے لیے اب تک ڈاکٹر صاحب کے پُر بہار قلم سے ذکر ماں، باپ اور راہنمائے زوجین جیسی کتب معرض وجود میں آکر قارئین سے داد وتحسین وصول کرچکی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''تکمیل آرزو'' ان کے سفرنامہ حج کی دلآویز اور روح پرور روئداد ہے۔ دیارِ حرم اور دیارِ حبیب میں بیتے ایام اور مشاہدات کو جس طرح خوب صورت پیرائے میں احاطۂ تسوید میں لانے کی کوشش کی ہے اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک سچے اور پکے مسلمان کا سفرنامہ حج ہے جسے اس نے بغیر کسی ملمع سازی کے نہاتی خلوص وللّٰہیت سے سادہ اور سلیس انداز میں رقم کیا ہے۔

کتاب کا ہر لفظ اخلاص کی مہک سے معطر اور ایمان کی حرارت سے عبارت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سفرنامے کے چھوٹے چھوٹے ذیلی عنوانات بھی قائم کیے ہیں جس سے قاری کو اپنی من پسند کا عنوان تلاش کرنے میں آسانی ملتی ہے۔ مزید یہ کہ مسنون دعائیں بھی آخر میں شامل کتاب ہیں۔ بہرحال کتاب کا یہ نقش ثانی ہے جس کو نئی کمپوزنگ اور عمدہ کاغذ پر طبع کرایا گیا ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک عمدہ چیز ہے۔

متاعِ گم شدہ

اس سر زمیں سے مہر و وفا کون لے گیا
اَوجِ کمال و بختِ رسا کون لے گیا

زُلف بہار دوشِ خزاں پر بکھر گئی
سرو و سمن کی آب و ہوا کون لے گیا

غنچے خموش، پھول پریشاں، فضا اُداس
لطفِ خرامِ بادِ صبا کون لے گیا

آنکھوں کو پاسِ شرعِ پیمبر نہیں رہا
چہروں سے آب و تابِ حیا کون لے گیا

نقش و نگارِ چہرۂ اسلاف مٹ گئے
وہ استوار عہدِ وفا کون لے گیا

انصاف بِک رہا ہے زر و سیم کے عوض
ان حاکموں سے خوفِ خدا کون لے گیا

اندوہ گیں ہے انجمنِ نَو بہارِ شعر
شورش مرے سخن کی ادا کون لے گیا

(شورش کاشمیری)